

ماہنامہ حیات

بنارس

شمارہ ۶	جمادی الآخرۃ ۱۴۳۰ھ	جون ۲۰۰۹ء	جلد ۲۷
---------	--------------------	-----------	--------

مدیر	اس شمارہ میں
عبدالوہاب حجازی	۱- درس قرآن
پتہ	۲- درس حدیث
دارالتالیف والترجمہ	۳- افتتاحیہ
بی ۱۸/۱ جی، ریوڑی تالاب	۴- شمع روشن بجھ گئی، بز مخن ماتم میں ہے ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری
وارانسی - ۲۲۱۰۱۰	۵- اسلامی شریعت ہی امن و سلامتی.. فضیلۃ الشیخ محمد بن عبداللہ السبیل
بدل اشتراک	۶- دارالحدیث رحمانیہ، دہلی کے قیام.. مولانا اسعد اعظمی
سالانہ ۱۲۰/ روپے	۷- زوراء والی اذان مسجد میں دینا..... ابو طاہر بن عزیز الرحمن سلفی
فی پرچہ ۱۲/ روپے	۸- غسل کے احکام و مسائل..... مولانا عبدالولی عبدالقوی سلفی
○	۹- حرص اور قناعت شیخ عمر فاروق
اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب	۱۰- اسلام میں عصمت و ناموس کی حفاظت.. ڈاکٹر رحمت اللہ محمد موسیٰ السلفی
ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے۔	۱۱- امت کو بہم مدد پہنچائیں..... فضل اللہ انصاری سلفی
	۱۲- احادیث نبویہ قرآن کی کرنیں طاہر جمال تنویر احمد منوی
	۱۳- باب الفتاویٰ نور الہدیٰ عین الحق سلفی

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

گھروں میں ملاقات کے آداب

عبداللہ سعود بن عبدالوہید

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا ذَلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ، فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَإِنْ قِيلَ لَكُمْ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَى لَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾ (النور: ۲۷-۲۸)

اے مومنو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں نہ داخل ہو جب تک کہ اجازت نہ لے لو اور وہاں کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو، یہ (اجازت لینا) تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو، اگر اس گھر میں تمہیں کوئی نہ ملے تو اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ ملے، اور اگر (وہاں لوگ موجود ہوں اور) تم سے لوٹ جانے کو کہا جائے تو تم واپس چلے جاؤ، یہی بات تمہارے لئے پاکیزہ ہے اور اللہ تمہارے ہر عمل کو خوب جانتا ہے۔

انسانی معاشرہ میں ایک دوسرے سے کام پڑتا ہے، کبھی کبھی یونہی ملاقات کی غرض سے ایک دوسرے کے پاس جانا ہوتا ہے، مزاج پرسی اور عیادت کے لئے ملنا جلنا چاہئے، دعوت و مناسبات میں میل جول ہوتا ہے، اسلام میں ہر مناسبت اور موقع کے لئے واضح تعلیمات موجود ہیں، مذکورہ آیتوں میں گھر کے اندر ملاقات کے آداب بتائے گئے ہیں، یہ حکم الہی ہے، اس کی خلاف ورزی گناہ ہوگا۔

سورہ نور کی آیت میں مومنوں سے خطاب ہے اور سیدھے حکم دیا گیا ہے کہ یہ کرو یہ نہ کرو، آج انسانوں کی بود و باش میں بہت فرق آچکا ہے، نہ پہلے جیسے لوگوں کی رہائش ہے اور نہ پہلا جیسا ماحول، مگر انسان کی فطرت وہی ہے جو پہلے تھی، اسلام آفاقی اور فطری مذہب ہے، اس کے تمام احکام عین فطرت کے مطابق ہیں، کسی کی پرائیویٹ زندگی میں پہلے بھی دراندازی ممنوع تھی آج بھی ممنوع ہے، لوگ گھر کے اندر کیسے رہتے ہیں، یہ ہر شخص کا شخصی معاملہ ہے، اسلام نے ہر معاملات میں معیاری رہنمائی فرمائی ہے، اس کو بروئے کار لانے اور اس کو اپنی زندگی پر لاگو کرنے سے ہی ایک انسان مسلم و مومن بنتا ہے، صرف زبانی جمع خرچ سے آدمی خود اپنے کو دھوکہ میں ڈال رہا ہے، رب العالمین انسان کے ہر عمل کو خوب جانتا ہے کہ کون کیا کر رہا ہے، وہ ذات لطیف و خبیر ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کی پاک زندگی اور آپ کے اخلاق عالیہ ہمارے لئے اسوہ ہیں، آپ نے کسی کے یہاں جانے پر اس سے تین بار اجازت لینے و سلام کرنے کا حکم دیا ہے، اس کے بعد جواب نہ ملنے پر لوٹ جانا چاہئے، اور یہ بھی بتایا کہ جب کوئی کسی کے یہاں جائے تو اپنا واضح نام بتا کر اجازت مانگے، اور چپکے سے کسی کے گھر میں جھانکنے سے منع فرمایا، اور وارنگ دی کہ اگر کوئی کسی کے گھر میں چھپ کر بلا اجازت جھانکے اور گھر والا اس کی آنکھ پھوڑ دے تو قصاص نہیں ہے، یہاں تک کہ حکم ہے کہ خود اپنی اولاد سن شعور کو پہنچ جائے تو وہ بھی خلوت گاہ میں داخل ہونے سے پہلے شریعت کی بتائی ہوئی تعلیم کے مطابق اجازت لے اور خود شوہر سفر سے واپسی پر بغیر دستک دینے اپنے گھر میں نہ ٹپک پڑے۔

گھر کے اندر انسان مختلف حالات میں رہتا ہے، اس لئے اگر کسی وجہ سے آنے والے ملاقاتی سے معذرت کر دے تو اس کو کبیدہ خاطر نہیں ہونا چاہئے، یہی پاکیزہ اور دل کی صفائی کے لئے بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق بخشے، آمین۔ ☆☆

درس حدیث: ۱۲۵

دینی بھائیوں کے دیدار کی تمنا نبوی ﷺ

تحریر: مولانا عبدالسلام مدنی / استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

عن أبي هريرة، أن رسول الله ﷺ أتى المقبرة، فقال: السلام عليكم دار قوم مؤمنين، وإنا إن شاء الله بكم لاحقون، وددت أنا قد رأينا إخواننا. قالوا: أو لسننا إخوانك يا رسول الله؟ قال: أنتم أصحابي، وإخواننا الذين لم يأتوا بعد. فقالوا: كيف تعرف من لم يأت بعد من أمتك يا رسول الله؟ فقال: أرأيت لو أن رجلا له خيل غر محجلة، بين ظهري خيل دهم بهم، ألا يعرف خيله؟ قالوا: بلى، يا رسول الله! قال: فإنهم يأتون غرا محجلين من الوضوء، وأنا فرطهم على الحوض.

رواه مسلم. (مشكاة ج ۱، ص ۴۰)

قال صاحب المراجعة: وأخرجه أيضا مالك، والنسائي. (مرعاة ج ۱، ص ۳۸۲)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (بتقج) قبرستان تشریف لائے، اور (زیارت قبر کی دعاء پڑھی) ”السلام علیکم دار قوم مؤمنین، وإنا إن شاء الله بكم لاحقون“ یعنی ”اے مومن قوم کے گھر والو! تم سب پر سلامتی ہو، بیشک میں (بھی) اگر اللہ نے چاہا تو تم سب سے (یہاں) ملنے والا ہوں“ میں چاہتا ہوں کہ میں (اور صحابہ کرام) اپنے اخوان کو دیکھ لیتے۔ صحابہ کرام نے کہا کہ اے اللہ کے رسول کیا ہم آپ کے اخوان نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: تم (میرے دینی بھائی اور) صحابی ہو، ہمارے اخوان وہ لوگ ہیں جو ابھی نہیں آئے ہیں۔ صحابہ کرام نے کہا اے اللہ کے رسول آپ کی امت میں سے جو ابھی نہیں آئے ہیں انہیں آپ کیسے پہچانیں گے؟ آپ نے ارشاد فرمایا یہ بتلاؤ کہ اگر کسی کے پاس پیشانی اور ہاتھ پیر کے سفید گھوڑے ہوں، اور وہ خالص کا لے رنگ والے گھوڑوں میں رہیں تو کیا وہ انسان اپنے گھوڑوں کی شناخت نہیں کر سکے گا؟ صحابہ کرام نے کہا کیوں نہیں اے اللہ کے رسول ﷺ۔ آپ نے فرمایا میری امت کے لوگ وضو کرنے کی وجہ سے پیشانی اور ہاتھ پیر کی چمک اور سفیدی کے ساتھ آئیں گے، اور میں ان سے پیشتر حوض کوثر پر ان کی ضروریات کے لئے بحیثیت منتظم موجود رہوں گا۔ (مسلم شریف)

تشریح: حدیث پاک سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ زیارت قبر کے لئے قبرستان تشریف لے جاتے تھے، اور ان کی بخشش اور سلامتی کی دعاء کرتے تھے، اور خود اپنی موت اور دیا رنحوشاں میں آنے کو یاد فرماتے تھے، نیز گزرے ہوئے صحابہ کرام کی یاد کے موقع سے اپنے ان دینی بھائیوں کی رویت کی تمنا کا اظہار فرمایا جو شرف صحابیت سے بہرور نہیں ہوئے تھے اور حوض کوثر پر آنے کی ان کی اور تمام امت اجابت کی شناخت بتلائی کہ اثر وضو سے پیشانی اور ہاتھ پیر منور اور چمکدار ہوں گے، اور خود میں ان کے لئے منتظم کی حیثیت سے پہلے موجود رہوں گا۔ (زہبے نصیب امت اجابت کا)

رب العالمین! امت مسلمہ کو شرعی طور پر زیارت قبر کی توفیق مرحمت فرما، اور ہم سب کو ان خوش نصیبوں میں سے بنا جن کے اعضاء وضو منور و چمکدار ہوں گے، اور آپ کے دست مبارک سے حوض کوثر نصیب فرما، آمین۔ ☆☆

دین میں تحریف کے اسباب

سابقہ ادوار میں دین میں تحریقات ہوتی رہی ہیں، اور تو میں دین توحید سے انحراف کا شکار ہو کر شرک و ضلالت کی تباہیوں کی نذر ہوتی رہی ہیں، نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کے کارناموں میں سے یہ بھی ہے کہ آپ نے دین میں تحریف کی راہوں کو بحکم الہی مسدود فرمایا ہے، اور قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے توحید و اطاعت کی ایک روشن شاہراہ چھوڑی ہے، جس پر چل کر کوئی انسان دنیا اور آخرت کی سعادت سے ہم کنار اور ہلاکت سے محفوظ ہو سکتا ہے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ”حجۃ اللہ البالغہ“ میں تحریف کے سات بنیادی اسباب ذکر کئے ہیں، ان کی اہمیت کی بنا پر ذیل کی سطور میں ان کی ترجمانی کر رہا ہوں، اس عبرت کے لئے کہ سابقہ اقوام جس تحریف کے نتیجہ میں ضلالت کی کھائیوں میں گریں مسلم اقوام ایک ملت اور ایک دین کی روشن شاہراہ سے کٹ کر ضلالت کی کھائیوں میں گرنے سے قبل اپنی بصیرتوں پر پڑے ہوئے صدیوں کے ملے ہٹائیں اور اس روشن شاہراہ پر لوٹیں جو حقیقی سعادت و نجات کی ضامن ہے۔

● دین کی ناقدری دین میں تحریف کا پہلا سبب ہے، کسی نبی اور اس کے اصحاب کے بعد ایسے ناخلف لوگ آتے ہیں جو نماز ضائع کر دیتے ہیں، خواہشات کی پیروی کرتے ہیں، دین کو سیکھ کر سکھلا کر اور عمل کر کے پھیلاتے نہیں، نہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض ادا کرتے ہیں، لہذا دین کے خلاف رسمیں جڑ پکڑتی جاتی ہیں، اور لوگوں کی رغبتیں شریعت کی چاہت کے برخلاف ہوتی جاتی ہیں، حتیٰ کہ بعد کی نسل میں علم شریعت کا بڑا حصہ فراموش کر دیا جاتا ہے، یہ ناقدری قوم کے بڑوں میں اگر گھر کر جائے تو اس کا نقصان اور فساد بہت زیادہ ہوتا ہے، حضرت نوح و ابراہیم علیہما السلام کی ملتیں اسی سبب سے ضائع ہو گئیں، انہیں صحیح شکل میں جاننے والا آج ان میں کوئی بھی نہ ملے گا۔

اس ناقدری کی اصل تین چیزیں ہیں:

۱- نبی کی روایات و احادیث کو چھوڑ دینا اور ان پر عمل نہ کرنا، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ لوگو سنو! مجھے قرآن اور اس کے ساتھ اسی کے مثل اور (احادیث) دیا گیا ہے، قریب ہے کہ ایک آسودہ حال اپنی چار پائی پر ٹیک لگائے کہے گا کہ: قرآن کو مضبوطی سے تھام لو، اس میں جو حلال ہوا اسے حلال جانو اور جو حرام ہوا اسے حرام جانو۔ جب کہ اللہ کے رسول نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے وہ ویسے ہی حرام ہیں جیسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ علم کو اچانک نہیں چھین لیتا بلکہ عالموں کو وفات دے کر علم کو اٹھا لیتا ہے، پھر جب کوئی عالم نہیں چھتا تو لوگ جاہلوں کو پیشوا بنا لیتے ہیں، ان سے مسائل پوچھتے ہیں، پھر وہ بلا علم

کے فتوے دیتے ہیں اور خود گمراہ ہوتے اور دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ احادیث رسول کو حجت شرعی نہ ماننا دین کی ناقدری کی اصل ہے۔

۲- باطل تاویل پر ابھارنے والے فاسد اغراض، جیسے خواہشات کی پیروی کرنے میں بادشاہوں کی رضا چاہنا، اور تاویل نصوص سے دنیا کمانا، اللہ تعالیٰ نے یہود کے متعلق فرمایا ہے: ﴿ان الذین یکتبون ما انزل اللہ من الکتاب ویشترون به ثمنًا قليلًا، أولئك ما يأکلون فی بطونهم الا النار﴾ (البقرة: ۱۷۴) بے شک جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب چھپاتے ہیں، اور اسے تھوڑی سی قیمت پر بیچتے ہیں، یقین مانو کہ یہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں۔

۳- برائیوں کا پھیلاؤ اور علماء کا ان سے نہ روکنا، یہ بھی دین کی ناقدری کی جڑ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فلولا کان من القرون من قبلکم أولوا بقیة، ینہون عن الفساد فی الأرض، الا قليلًا ممن أنجینا منهم، واتبع الذین ظلموا ما أترفوا فیہ، وکانوا مجرمین﴾ (ہود: ۱۱۶) پس کیوں نہ تم سے پہلے زمانے کے لوگوں میں سے ایسے اہل خیر لوگ ہوئے جو زمین میں فساد پھیلانے سے روکتے، سوائے ان چند کے جنہیں ہم نے ان میں سے نجات دی تھی، ظالم لوگ تو اس چیز کے پیچھے پڑ گئے جس میں انہیں آسودگی دی گئی تھی اور وہ مجرم تھے۔

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بنی اسرائیل جب گناہوں میں لگ گئے تو ان کے علماء نے انہیں منع کیا، مگر وہ باز نہیں آئے، پھر وہ ان کی مجلسوں اور کھانے پینے میں شریک ہوتے رہے تو اللہ نے ان کے دلوں کو ایک دوسرے سے ٹکرا دیا، اور انہیں داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبانی ملعون قرار دیا، اور یہ ان کی نافرمانی اور حد سے گزرنے کی بنا پر ہوا۔

● دین میں تحریف کا دوسرا سبب دین میں تعمق ہے، جس کی حقیقت یہ ہے کہ شارع کوئی حکم دیں یا منع کریں پھر امت کا کوئی آدمی اسے سنے اور اپنے ذہن کے مطابق سمجھے، اور پھر اس حکم کو اس سے ملتی جلتی چیز پر نافذ کر دے، جیسے روزہ نفس پر غلبہ پانے کے لئے مشروع ہوا، اس میں کھانے پینے اور جماع سے روکا گیا، تو بعض لوگوں نے سحری کھانے کو بھی نفس پر غلبہ پانے کے منافی سمجھا، اور کہا کہ روزہ بلا سحری کے رکھنا چاہئے، یہ تعمق ہے، اور تحریف کی راہ کھولتا ہے، یا روزہ کی حالت میں جماع سے منع کیا گیا، تو کچھ لوگوں نے بیوی کا بوسہ لینا بھی روزہ دار کے لئے حرام قرار دے دیا، اس بنیاد پر کہ یہ جماع کے اسباب میں سے ہے، یعنی ایک چیز کے حکم کو اس کے سبب پر بھی نافذ کر دیا، یہ تعمق ہے اور تحریف کی راہ کھولتا ہے، اسی طرح روایات میں تعارض کی صورت میں جب حکم کی صورت مشتبہ ہو جائے، تو سخت ترین حکم کو اختیار کرنا، اور اسے واجب ٹھہرا لینا تعمق ہے، اور تحریف کی راہ کھولتا ہے، ایسے ہی رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ کیا ہے سب کو عبادت پر محمول کرنا تعمق ہے، صحیح یہ ہے کہ آپ ﷺ نے بعض کام بطور عادت کیا ہے، لیکن کچھ لوگ عادت والے کاموں کو بھی کہتے ہیں کہ شریعت کا امر وہی ان کو بھی شامل ہے، اور وہ علانیہ کہتے ہیں کہ اللہ نے اس کا حکم دیا ہے اور اس سے منع کیا ہے، یہ بھی تعمق ہے اور تحریف کا راستہ کھولتا ہے۔

● دین میں تحریف کا تیسرا سبب دین میں سختی کرنا، یعنی ایسی سخت اور پر مشقت عبادات اختیار کرنا جن کا شارع نے حکم نہیں دیا ہے، جیسے مسلسل روزے رکھنا اور رات بھر قیام اللیل کرنا، بیوی سے الگ رہنا، اور واجب چیزوں کی طرح سنتوں اور آداب کو لازم گردانا، رسول اللہ ﷺ نے عبد اللہ بن عمرو بن العاص اور عثمان بن مظعون کو پر مشقت عبادات سے روک دیا تھا، آپ نے عبد اللہ بن عمرو سے فرمایا کہ تم دن میں روزہ اور رات کو قیام اللیل کے عادی ہو؟ انہوں نے کہا ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: ایسا مت کرو، روزے رکھو اور ترک بھی کر دو، رات کو نماز پڑھو اور سوؤ بھی، اس لئے کہ تم پر تمہارے بدن کا حق ہے، آنکھوں کا حق ہے، بیوی کا حق ہے اور مہمان کا بھی حق ہے، عثمان بن مظعون نے بیوی سے الگ رہنے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو روک دیا، ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ: دین پر جو شخص غالب آنے کی کوشش کرتا ہے تو دین اس کو مغلوب کر دیتا ہے، ایسا تعق اور تشدد اختیار کرنے والا جب قوم کا استاد اور پیشوا بن جاتا ہے تو لوگ گمان کرنے لگتے ہیں کہ یہی شریعت کا حکم اور اس کی پسند ہے، یہود و نصاریٰ کے راہبوں کی عام بیماری یہی ہے۔

● کتاب و سنت سے استنباط کے بغیر کوئی شخص اپنی سمجھ سے لوگوں کے لئے حکم تجویز کرے، محدث دہلوی نے اس کے لئے ”استحسان“ کا لفظ استعمال کیا ہے اور اس کی حقیقت یہ بیان کی ہے کہ: کوئی شخص شارع کو دیکھتا ہے کہ ہر حکمت کے لئے مناسب حکم وضع کرتے ہیں تو وہ بھی جیسی مصلحت سمجھتا ہے لوگوں کے لئے حکم وضع کرتا ہے، مثلاً یہود نے دیکھا کہ گناہوں سے باز رکھنے کے لئے شارع نے اصلاح کی خاطر حدیں مقرر کیں، پھر انہوں نے رجم کے نتیجہ میں لوگوں کے درمیان اختلاف اور قتال دیکھا، تو انہوں نے اس کی جگہ منہ کالا کرنے اور کوڑے مارنے کو اچھا گردانا، اور اسے اختیار و استحسان کا درجہ دیا، رسول اللہ ﷺ نے اسے دین میں تحریف قرار دیا اور تورات کے منصوص حکم کو اپنی رائے سے چھوڑ دینا قرار دیا، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہم إني أول من أحيأ أمرك إذا أماتوه۔ (مسلم، کتاب الحدود) اے اللہ میں پہلا شخص ہوں جس نے تیرے حکم کو زندہ کیا جب کہ یہود نے اسے مردہ کر دیا تھا۔

محمد بن سیرین تابعی کہتے ہیں: سب سے پہلے قیاس ابلیس نے کیا اور سورج چاند کی پرستش بھی قیاس کی بنیاد پر کی گئی ہے۔ حسن بصری تابعی نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت کی: ﴿خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ﴾ تو کہا: ابلیس نے قیاس کیا اور وہ پہلا قیاس کرنے والا ہے۔

شععی تابعی کہتے ہیں: قسم اللہ کی اگر تم نے قیاسات کو اختیار کیا تو ضرور حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرو گے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسلام کو تین چیزیں ڈھادی ہیں: عالم کی خطا، منافق کا قرآن کے ذریعہ جھگڑنا، اور گمراہ کرنے والے پیشواؤں کا حکم۔

استحسان کی مذکورہ بالا صورت دین میں تحریف کا سبب ہے۔ ☆☆ (جاری)

شمع روشن بجھ گئی، بزمِ سخن ماتم میں ہے

(قسط: ۱)

از: ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری

کلینڈر کی تاریخ بدلتی رہتی ہے، اور بہت کم ہماری توجہ ہوتی ہے، لیکن بعض تاریخیں اپنے ساتھ ایسے واقعات لے کر آتی ہیں کہ ہم ان کے تئیں بے توجہی کا مظاہرہ کر سکتے ہیں، نہ انہیں فراموش کر سکتے ہیں، قرآن کریم نے رات و دن کی آمد و شد میں نشانی بتائی ہے، یہ تغیر اپنی جگہ خود اہمیت رکھتا ہے، اور شب و روز کی وسعتیں اپنے اندر جو حوادث و عجائب سمیٹے رہتی ہیں ان کے اندر بھی بے پایاں عبرت ہے۔

رمزیت سے صراحت کی طرف آئیے تو ۱۹/ محرم ۱۴۳۰ھ مطابق ۱۷/ جنوری ۲۰۰۹ء کی تاریخ سے متعلق کچھ عرض کرنا ہے، یہ فضا ابن فیضی کی وفات کی تاریخ ہے، مونا تھ بھجن کے مغربی حصہ کے ایک محلہ میں فلروفن کا ایک ستارہ طلوع ہوا تھا جس کی ضیاء پاشی تقریباً نصف صدی جاری رہی، اور اس طویل مدت میں بے شمار فنکار اس سے فیضیاب ہوئے، اور اس نے خود شعرو سخن کی بے مثال خدمت انجام دے کر عالمی سطح پر اپنا نام روشن کیا، اور دنیا نے اسے خراج تحسین پیش کیا۔

ایک ہی محلہ میں بود و باش کے سبب خاکسار فضا صاحب کو بچپن سے دیکھتا تھا، لیکن شعور میں ایسی پختگی نہ تھی کہ ان کے فنی کمال کا اندازہ لگا سکے، حفظ قرآن کریم کے بعد اردو فارسی کا مرحلہ آیا، پھر عربی تعلیم کی وادی میں قدم رکھا، اور جو کچھ مقدر تھا حاصل کیا، چوتھی پانچویں جماعت ہی سے رفقاء درس کے مابین اردو کے ادباء و شعراء کا تذکرہ ہوا کرتا تھا، اور بعض بعض کے لئے دل میں غیر معمولی قدر و احترام تھا، سبب نہ تب معلوم تھا، نہ اب معلوم ہے، البتہ اس فہرست میں فضا صاحب کا نام سب سے اوپر تھا، مگر اس وقت ہم اس کی توجیہ سے بھی قاصر تھے۔

میں مونا میں جب تک تحصیل علم کے مرحلہ میں تھا، فضا صاحب کی عظمت و کمال کا سکھ دل پر بیٹھا رہا، کبھی جرأت ہوئی تو ایک دوسطری تحریر کے ذریعہ ان سے کوئی استفسار کر لیا، بالمشافہ گفتگو کی ہمت نہیں تھی، اور دل میں ان لوگوں کی خوش بختی کا قوی احساس تھا جو موصوف سے خوشہ چینی کے لئے ان کے پاس آیا کرتے تھے، اور اپنا کلام اصلاح کے لئے ان کو دیا کرتے تھے۔ پڑھائی ختم کر کے ایک مختصر وقفہ کے لئے میں تدریس سے وابستہ ہوا، اور پھر مزید تعلیم کے لئے مصر چلا گیا، وہاں سے ۱۹۶۷ء میں واپسی ہوئی، اور ۱۹۶۸ء میں جامعہ سلفیہ میں تدریسی عمل میں آئی۔ فضا صاحب کے تذکرہ میں اپنی داستان کا ”جملہ معترضہ“

اس لئے آگیا کہ ”فضاشناسی“ کا میرا عہد جامعہ سلفیہ سے میری وابستگی کے بعد ہی شروع ہوا، اور نمایاں طور پر اس کا آغاز اس ترانہ سے ہوا جسے فضا صاحب نے نظم فرمایا تھا، اس کی مختصر تفصیل آگے آرہی ہے۔

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) کی تاسیس کے موقع پر مجلہ ترجمان (دہلی) نے اپنا تاسیس نمبر (۱۹۶۳ء) اور ادارہ میں تعلیم کے آغاز کی مناسبت سے افتتاح نمبر (۱۹۶۶ء) شائع کیا تھا، دونوں نمبروں میں شاید فضا صاحب کی کوئی نظم موجود نہیں، البتہ میرے پاس کاپی سائز کا ایک دو ورقہ محفوظ ہے جس پر مرکزی دارالعلوم سے متعلق فضا صاحب کے قلم سے انتہائی خوبصورت خط (جس میں موصوف کو مہارت تھی) میں ایک نظم تحریر ہے، اس کی شانِ ورود جامعہ سلفیہ کا پہلا جلسہ تقسیم اسناد منعقد ۱۹۶۹ء ہے جس میں سعودی عرب کی وزارتِ تعلیم کے مندوب شیخ عبدالوہاب البنا، رحمہ اللہ، نے شرکت فرمائی تھی، اور مرکزی دارالعلوم کے سلسلہ میں، نیز تذریس و دعوت کے سلسلہ میں اپنے گرانقدر خیالات کا اظہار کیا تھا۔ فضا صاحب کے کلام کا انتخاب مشکل ہوتا ہے، پھر بھی مذکورہ نظم کے بعض اشعار پیش ہیں:

اے حریمِ علم و دانش، مرکزی دارالعلوم!
اے چراغِ آگہی، اے شمعِ فرمانِ رسول
خوشبوئے پیراہنِ جبریل ہے تیرا نفس
تو ہے سر سے پاؤں تک گلِ زارِ دامانِ رسول
تیرے ہونٹوں کی لطافت، شعلہٗ نطقِ کلیم
تیرے پہلو کی امانت، سوزِ ایمانِ رسول
تیرے پر تو سے فروزاں محفلِ قرآنِ پاک
لمس سے تیرے تروتازہ، گلستانِ رسول
کس صنم خانے میں ڈالی تو نے ”بنیادِ خلیل“
ارضِ کاشی کی فضا بھی ہے نواخوانِ رسول

فضا صاحب کی مذکورہ نظم کا عنوان ”نوائے تہنیت“ ہے، اور یہ اس کا پہلا بند ہے، نظم میں کل پانچ بند ہیں، جس میں سے چار بند میں پانچ شعر ہیں، اور آخری بند دو اشعار پر مشتمل ہے، مضمون کی طوالت کا خوف نہ ہوتا تو نظم کے تمام بند ہدیہ قارئین کرتا، فی الحال صرف منتخب اشعار پر اکتفاء کرتا ہوں:

یہ ترے ماحول کا نکھرا ہوا علمی وقار
میرے ہاتھوں میں ”عبید اللہ“ کا دامن ہے تو

تھی نصابِ علم و فن میں پہلے کب یہ چنگلی
اس نصابِ علم و فن کو معتبر تو نے کیا

تو مبلغ ہے ثناء اللہ کے کردار کا
وقت کو پیانہ ذوقِ ہنر تو نے کیا
جلسہ تقسیم اسناد اور یہ شامِ حسین
ذرے ذرے کو چراغِ رہگزر تو نے کیا
شاد ہے روحِ ابوالقاسم کہ اس کے شہر میں
اہتمامِ دعوتِ فکر و نظر تو نے کیا

جانتا ہوں اے طلسمِ شوخی عبدالوحید
کس کے خوابوں اور تمناؤں کا سرمایہ ہے تو
”ناصر الدین“ ہیں ترے گلِ زارِ معنی کی بہار
چہرہ ”یوسف انس“ کا احمریں غازا ہے تو
تیرا نقشِ دلبری، دامن کش ”عبدالوہاب“
جس پہ نازاں ہے صدف وہ گوہرِ یکتا ہے تو

اے حریمِ علم و فن ، اے مرکزی دارالعلوم!
خود ہوا تیرے چراغوں کی نگہداری کرے
راس آئے تجھ کو یہ تقریب، یہ شام و سحر
تو اسی صورتِ اندھیروں میں ضیاء باری کرے

اس نظم کے تعلق سے یہ توضیح ضروری ہے کہ فضا صاحب کے خط میں لکھی ہوئی نظم تقسیم اسناد کے جلسہ میں پڑھی گئی، بعد میں تیسرے بند کے اولین پانچوں مصرعے کاغذ میں رنگ لگنے سے مٹ گئے، میں نے ۹/ مارچ ۱۹۹۴ء کو ان مصرعوں کی تکمیل

کے لئے اصل کاغذ فضا صاحب کو بھیجا، موصوف نے تکمیل کے بعد وہی کاغذ ۳۱/ اکتوبر ۱۹۹۵ء کو واپس کیا، وفات کے بعد میں نے لفافہ ڈھونڈا، اور اسی کاغذ سے مذکورہ اشعار نقل کئے۔ ”نوائے تہنیت“ کے لئے یہ تفصیل ضروری نہ ہو، لیکن اسکی اہمیت یہ ہے کہ فضا صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا کاغذ جامعہ سلفیہ میں محفوظ ہے، اور تقریباً ۳۹/ سال بعد اسی کاغذ سے اشعار نقل کر کے مضمون میں شامل کئے گئے ہیں۔

جامعہ کا ترانہ

اللہ تعالیٰ جس کام کو جب اور جس کے ذریعہ مقدر فرما دیتا ہے وہ اسی طرح ہو جاتا ہے، جامعہ سلفیہ کے ”ترانہ“ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا، میں اس تفصیل کو ۱۹۸۰ء سے اب تک احاطہ تحریر میں نہیں لایا تھا، اور چاہتا تھا کہ کوئی اور ہی شخص اس کو تحریر کرے، لیکن فضا صاحب کی وفات کے بعد جب ان سے متعلق تاثرات کے اظہار کا ارادہ ہوا تو ۸۰ء سے اب تک کا پورا ماحول اور ترانہ سے متعلق واقعات ذہن میں کچھ اس طرح تازہ ہو گئے کہ صرف نظر ممکن نہ رہا۔

ایک بڑے تعلیمی ادارہ کی حیثیت سے متعدد ذمہ داروں کے ذہن میں یہ بات آتی تھی کہ جامعہ سلفیہ کا ایک ترانہ بھی ہونا چاہئے، بعض لوگوں نے راقمِ سطور سے اس کا تذکرہ بھی کیا تھا، مرکزی دارالعلوم سے متعلق فضا صاحب کی نظم دیکھنے کے بعد میں اپنے اندر یہ حوصلہ محسوس کرنے لگا تھا کہ فضا صاحب سے ترانہ کی گزارش کی جانی چاہئے، ایک موقع پر میں نے ان کے سامنے جامعہ سلفیہ کے ذمہ داران کی اور خود اپنی تمنا کا اظہار کیا، اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ترانوں کا ذکر کیا، موصوف نے بڑی فراخ دلی اور یگانگت کے ساتھ درخواست قبول فرمائی، اور مذکورہ دونوں اداروں کے ترانوں کا متن طلب کیا، میں نے دونوں متن فراہم کر دیئے، پھر ایک دن آیا کہ فضا صاحب کا لکھا ہوا ترانہ جامعہ سلفیہ پہنچ گیا، ذمہ دارانِ جامعہ اور اساتذہ وغیرہ نے بے حد پسند کیا، طلبہ جامعہ کا مجموعہ کانفرنس میں پڑھنے کے لئے اس کی مشق کرنے لگا، اور الفاظ کے صحیح نطق کے ساتھ ساتھ آواز کے زیر و بم کا بھی لحاظ رکھا۔ ۱۹۸۰ء کی ”دعوتِ کانفرنس“ کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ اس میں دیگر عرب مہمانوں کے ساتھ فضیلت مآب محمد بن عبد اللہ السبیل امامِ حرمِ مکی حفظہ اللہ تعالیٰ بھی شریک ہوئے تھے، اس کانفرنس کے افتتاحی اجلاس میں اور بعد کے اجلاسوں میں بھی ترانہ سنایا گیا، اور سامعین نے اسے ذوق و شوق سے سنا۔ جامعہ سلفیہ کے بعض فارغین امامِ موصوف کے ساتھ اس سفر میں ہندوستان آئے تھے، ان کا بیان ہے کہ امام صاحب اس ترانہ کا اور کانفرنس کے پروگراموں کا ٹیپ سنا کرتے تھے، عجمی زبان کے اشعار میں موصوف کو یقیناً کوئی تاثیر اور ہم آہنگی محسوس ہوتی تھی جس کی وجہ سے انھیں سنتے تھے۔ کانفرنس کے بعد جامعہ کے عربی مجلہ کا نمبر شائع ہوا تو دیگر مواد کے ساتھ یہ ترانہ بھی شائع کیا گیا، اور خاکسار نے عربی زبان میں اس کا ترجمہ بھی ساتھ میں دے دیا، تلمیح و استعارہ پر مشتمل اشعار عربی ترجمہ میں ممکن ہے بہت

زیادہ واضح نہ ہو سکے ہوں، لیکن غیر اردو داں طبقہ کو ترانہ کے مشتملات کا اندازہ لگانے کے لئے ایک بنیاد فراہم ہو گئی۔
نقد و نظر کے ماہرین فضا صاحب کے اس ترانہ کا فنی حیثیت سے جائزہ لیں گے، میں یہاں صرف اپنے تاثرات پیش کرنا چاہتا ہوں تاکہ قارئین کو اندازہ ہو سکے کہ شاعر نے کس طرح جامعہ سلفیہ، اس کی کانفرنس، عرب علماء کی اس میں شرکت، المجدیث درس گاہ کے امتیازات اور تعلیمی ماحول کی مؤثر تصویر کشی کی ہے۔
ترانہ کے بنداز قبیل خمس کل دس ہیں، اور مصرعوں کی تعداد پچاس ہے، ہر بند پر اظہار خیال کا یہ مقالہ متحمل نہیں، صرف بعض اشعار پر تاثر پیش کروں گا:

پہلے بند کا ایک مصرع یوں ہے:

چراغ کی طرح سر در پچہ وفا ہیں ہم
روحانی اور معنوی اعتبار سے دیکھا جائے تو حاملینِ علوم کتاب و سنت کی یہ بے حد دقیق اور عمدہ تصویر ہے، یہی طائفہ صدق و وفا کا مبلغ و محافظ ہے، مگر افسوس آج کے حالات کا رخ کچھ اور ہے!
تیسرا بند دعوتِ عمل بالکتاب والسنۃ کی ترجمانی کر رہا ہے، اور مؤثر انداز میں بتا رہا ہے کہ یہ جماعت کیا چاہتی ہے:

سراغِ جادۂ عمل حدیثِ مصطفیٰ ہمیں
اسی کا حرف حرف ہے نشاطِ ماجرا ہمیں
نہیں قبول اب کوئی پیام دوسرا ہمیں
ادا شناسِ عظمتِ حدیثِ مصطفیٰ ہیں ہم
کہ گلشنِ رسول کے طیور خوش نوا ہیں ہم
چوتھے بند میں یہ مصرع توجہ طلب ہے:

یہ ایک تربیت کدہ ہے مرکزی علوم کا
پانچویں بند کی صراحت اور تلخیص دونوں توجہ طلب ہے:

اسی کے خوشہ چیں ہیں ہم ہمارا جامعہ ہے یہ
بلاغت و معانی و بیاں کا گل کدہ ہے یہ
عرب کے طرزِ فکر سے عجم کا رابطہ ہے یہ
اسی کے لمسِ جاوداں سے روحِ ارتقاء ہیں ہم
کہ گلشنِ رسول کے طیور خوش نوا ہیں ہم

بنارس اب کہاں، رخِ حرم کا آئینہ ہیں ہم
ساتویں بند میں پھر عملِ بالحدیث اور سلفیت کی موثر ترجمانی ہے:

نگاہ میں ہے عہدِ رفتہ اب بھی حال کی طرح
سلف کا شیوہ سامنے ہے اک مثال کی طرح
ضم کدے میں ہم نے دی ازاں بلال کی طرح
نفس ہیں جبریل کا، بلال کی ندا ہیں ہم
کہ گلشنِ رسول کے طور خوش نوا ہیں ہم
نواں بند حاملانِ علوم کتاب و سنت کے عزم و حوصلہ کی تصویر پیش کرتا ہے:

ورق ورق بصیرتوں کی روشنی سجائیں گے
حرارتِ یقیں سے پھر دلوں کو جگمائیں گے
نظر سے درسِ اسوۂ پیبری سکھائیں گے
نقیبِ فضل و دانش و صداقت و صفا ہیں ہم
کہ گلشنِ رسول کے طور خوش نوا ہیں
آخری بند دعائیہ ہے، شاعر نے اس بند میں جو الفاظ، تراکیب اور استعارے استعمال کئے ہیں ان سے ان پاکیزہ
جذبات کی تصویر سامنے آجاتی ہے جو کسی بامقصد تعلیمی و تربیتی ادارے سے لوگ وابستہ رکھتے ہیں:

خدا کرے فضا یونہی یہ خواب جاگتے رہیں
یہ خوشبوئیں جواں رہیں، گلاب جاگتے رہیں
ہنر و رانِ سنت و کتاب جاگتے رہیں
چمن چمن بشارتِ نسیم جاں فزا ہیں ہم
کہ گلشنِ رسول کے طور خوش نوا ہیں ہم
اس بند میں خواب کے جاگنے، خوشبوؤں کے جواں رہنے، گلاب کے جاگنے اور ہنر و رانِ سنت و کتاب کے جاگنے کی
تعبیرات سے جو معنوی حسن پیدا ہوتا ہے اس سے اہل نظر بخوبی واقف ہیں۔

(جاری)

اسلامی شریعت ہی امن و سلامتی کی ضامن ہے

شیخ محمد بن عبداللہ السبیل

امام و خطیب مسجد حرام، مکہ مکرمہ

اسلام ہی وہ دین ہے جو قوموں کی ترقی کا سب سے اہم ذریعہ اور ان کے کلمہ اتحاد کی بنیاد ہے، اس کا مقدس مقصد یہ ہے کہ اللہ رب العالمین کو ایک مانا جائے، اسی سے لو لگائی جائے اور خالص اسی کے لئے عبادات و اعمال انجام دیئے جائیں، دین ہی کے اصول و مبادی پر امت اسلامیہ کو متحد کیا جائے اور امت کے افراد باہم دیگر اس کام میں ایک دوسرے کے مدد و معاون ہوں جس سے دین کو غلبہ و اعزاز حاصل ہو اور عقلی، فکری اور مادی ہر ممکن طریقہ سے اسلام اور اہل اسلام سے باطل حملوں کو روکا جائے، اللہ عز و جل کا ارشاد ہے:

﴿وتعاونوا على البر والتقوى﴾ (المائدہ: ۲)

نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”إن المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضاً۔“ (۱)

ایک مومن دوسرے مومن کے لئے عمارت کی مانند ہے جس کا بعض، بعض کو تقویت دیتا ہے۔

اسلام ایک عالمگیر دین ہے، اس کے سوا کوئی بھی دین کائنات کو اس نہیں آسکتا، دین اسلام کو اپنا کر اور اس کی تعلیمات کو زندگی میں جاری و ساری کر کے ہی بندوں کے امور و معاملات درست ہو سکتے ہیں اور ان کے مصالح پورے ہو سکتے ہیں، یہ دین اعتقادی گروہ بندی، علاقائی تعصب اور جاہلی حمیت سے پاک و صاف ہے اور سارے انسانوں کو مساوات کی نگاہ سے دیکھتا ہے، کسی قوم کو دوسری قوم پر ترجیح دیتا ہے نہ کسی کو کسی پر کوئی فوقیت عطا کرتا ہے، بلکہ تقویٰ کو معیار برتری و فضیلت قرار دیتا ہے:

(۱) صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب تشبیک الأصابع فی المسجد (۲۸۱) صحیح مسلم، کتاب البر، باب تراحم المؤمنین (۲۵۸۵)

﴿إِنْ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتِّقَاكُمْ﴾ (الحجرات: ۱۳)

اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

ساتھ ہی اس نے باہم متعارف ہونے اور تعلقات استوار رکھنے کا حکم دیتے ہوئے کہا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا﴾

(الحجرات: ۱۳)

لوگ! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کی شناخت کرو۔

چنانچہ اسی تعارف و تعلقات کے نتیجے میں بندوں کے مصالح ایک دوسرے سے قریب ہوتے ہیں، ان کے مقصد میں اتحاد پیدا ہوتا ہے، منفعت کے مواقع ملتے ہیں اور پورے عالم اسلام کے مسلمان ایک قوت بن کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے ہیں، ان کا طاقتور اپنے ضعیف کا خیال رکھتا ہے، غنی فقیر کی خبر گیری کرتا ہے اور صحت مند مریض کی مزاج پرسی کرتا ہے، اور اس طرح سے ان کا اتحاد باہمی مستحکم ہو جاتا ہے، شان و شوکت بڑھ جاتی ہے، ان کی حکومت و سلطنت مضبوط ہوتی اور انہیں سربراہی حاصل ہوتی ہے، لوگوں کے دلوں میں ان کا رعب و دبدبہ پیدا ہوتا ہے، ان کے اپنے حقوق محفوظ ہوتے ہیں اور دیگر قوموں پر ان کی فضیلت و برتری ثابت ہوتی ہے۔

لیکن یہ سب کچھ اسی وقت حاصل ہوگا جب وہ اپنے رب کی کتاب قرآن مجید اور نبی ﷺ کی سنت کو اپنائیں اور شریعت مطہرہ کی تعلیمات کو اپنی زندگی میں نافذ کریں۔

بندگان الہی! کوئی قوم تہذیب و تمدن کے معاملہ میں خواہ کتنا بھی ترقی کر لے، تنظیم و اجتماعیت میں خواہ کتنا بھی بلند ہو جائے اور اقتصادی، معاشرتی اور اخلاقی میدان میں خواہ کتنا بھی آگے نکل جائے مگر عدل و مساوات، تعاطف و تراحم، ظلم پر پابندی، کمزوروں کے حقوق کی محافظت اور امن و شانتی اور اطمینان و سکون کے حصول میں اسی وقت کامیاب ہو سکتی ہے جب اللہ حکیم و خبیر کی نازل کردہ شریعت اور اس کی تعلیمات کو اپنالے اور اپنی زندگی میں اسے نافذ کر لے، کیونکہ انسان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور وہ اس کی فطرت و جبلت سے باخبر اور اس کے فکر و مزاج سے بخوبی واقف ہے اور اسی کے مطابق اس نے ایسی تعلیمات نازل فرمائیں جو انسان کے فکر و مزاج سے ہم آہنگ اور اس کے ذہن و دماغ کو اپیل کرنے والی ہوں:

﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ (الملک: ۱۴)

کیا جس نے پیدا کیا وہ بے خبر ہے؟ وہ تو پوشیدہ باتوں کو جاننے والا اور ہر چیز سے آگاہ ہے۔

کسی فرد بشر کے بس کی بات نہیں کہ وہ انسان کے نفوس کا جائزہ لے کر ان کے مطابق دستور و نظام بنائے اور ان پر نافذ کرے، یہ صرف اور صرف اللہ وحدہ کا حق ہے جو ہر چیز سے بخوبی واقف ہے۔

﴿وَلَا يَنْبِئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ﴾ (فاطر: ۱۴)

اللہ خبیر کے خبر دینے کی طرح تم کو کوئی خبر نہیں دے گا۔

اسی مقصد کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کو مبعوث فرمایا تاکہ بندوں کو مخلوق کی عبادت سے نکال کر ایک اللہ کی عبادت کی طرف لائیں اور اسی کو معبود و پروردگار تسلیم کرائیں، لوگوں کو غلامی سے آزادی بخشیں، ظلم کے خندق سے عدل کی شاہراہ پر لائیں اور شقاوت و بدبختی سے نکال کر سعادت و کامرانی کی منزل عطا کریں۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر قرآن مجید نازل فرمایا جو کامل ہدایت و رحمت اور بیماری دل کے لئے شفا ہے اور زندگی کے ہر شعبہ اور ہر معاملہ میں صحیح راستہ کی رہنمائی کرتا ہے، لوگ خواہ وہ حاکم ہوں یا محکوم، اگر اپنے عقیدہ اور دین و اخلاق میں اس کتاب مقدس کی تعلیمات کو اپنائیں اور اپنی زندگی میں نافذ کریں تو اس کے نتیجہ میں وہ امن و سکون، خوش عیشی اور ابدی سعادت حاصل ہوگی جو ہر فرد بشر کے لئے محبوب و مطلوب ہے۔

قرآنی تعلیمات کے مطابق اگر مجرم پر حد شرعی نافذ کی جانے لگے تو اس کے نتیجہ میں معاشرہ کے اندر جرائم کی تعداد کم ہو جائے گی اور ظالم و باغی، مفسد اور غلط قسم کے لوگوں کے حوصلے پست ہو جائیں گے، جیسا کہ اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے:

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (البقرة: ۱۷۹)

اے اہل عقل! قصاص میں تمہارے لئے زندگی ہے کہ تم (قتل و خونریزی سے) بچو۔

چنانچہ قتل کا ارادہ رکھنے والا اگر یہ سمجھ لے کہ قتل کی پاداش میں قصاص اسے بھی قتل کر دیا جائے گا تو خود اپنے نفس کو قتل سے بچانے کے لئے وہ دوسرے قتل کرنے سے باز آ جائے گا، بشرطیکہ اس کے ہوش و حواس درست ہوں، ایک چور اگر جان لے کہ چوری کے جرم میں اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا تو اپنے ہاتھ کو بچانے کے لئے وہ چوری سے رک جائے گا، ایک زانی کو اگر یہ ڈر ہو کہ زنا کرنے پر اس کے اوپر حد شرعی نافذ ہوگی اور حسب اختلاف اسے سنگسار کر دیا جائے گا یا سو (۱۰۰) کوڑے لگائے جائیں گے تو اس حرکت بد سے وہ یقیناً توبہ کر لے گا، ایک شراب نوش کو اگر حد جاری ہونے کا یقین ہو جائے تو اس گندی و ناپاک شے کے کبھی قریب بھی نہ جائے کہ جس کا گناہ اس کے فائدہ سے کہیں زیادہ ہے اور جواب تک نہ جانے کتنوں کو ذلت و رسوائی اور مہلک جرائم میں مبتلا کر چکی ہے۔

شرعی حدود کا نفاذ، گو اس میں بظاہر شدت اور قساوت قلبی معلوم ہوتی ہے مگر درحقیقت اسی میں پورے معاشرہ کی بھلائی

ہے، کیونکہ مجرم یہ سمجھتا ہے کہ یہ حدود انسان کے وضع کردہ نہیں بلکہ خود اس ذات کے مقرر کردہ ہیں جس نے انہیں تخلیق بخشی ہے اور اپنے کسی بندہ پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا ہے، یہ حدود ہر اس شخص کے لئے ہیں جو ان جرائم کا مرتکب ہو اور اللہ رب العالمین کے عتاب و توبیخ پر اس کا ایمان ہو، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ یہی حدود اور سزائیں ایک مجرم کے لئے اصلاح حال اور اللہ کی جانب رجوع و انابت کا سبب بن جاتی ہیں۔

ایک حاکم کتاب و سنت کی روشنی میں اگر کوئی فیصلہ کرتا ہے تو اس سے وہ شخص بھی راضی ہو جاتا ہے جس کے خلاف یہ فیصلہ ہوا ہوتا ہے بشرطیکہ اللہ رب العالمین پر اس کا ایمان ہو، ارشاد ربانی ہے:

﴿فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم﴾ (النساء: ۶۵)

تیرے رب کی قسم! یہ مومن نہیں ہو سکتے تا وقتیکہ اپنے نزاعی معاملات میں تم کو اپنا فیصلہ تسلیم نہ کر لیں۔

شریعت کا فیصلہ جس فریق کے خلاف پڑ رہا ہے اگر اس کی جانب سے کوئی نازیبا حرکت یا غیظ و غضب کا اظہار بھی ہوتا ہے تو دوسرے مسلمان اس پر کیر و توبیخ کرتے اور اسے ناپسند گردانتے ہیں کہ اس نے اپنی عزت بچانے کی فکر میں اور معاشرہ کے اندر اپنا وقار مجروح ہو جانے کے ڈر سے اللہ کی شریعت کا فیصلہ تسلیم نہیں کیا، لیکن اس کے برخلاف اگر وہ کسی انسان کے وضع کردہ قوانین کے تحت کئے گئے فیصلہ کو رد کر دیتا ہے تو کوئی دین یا معاشرہ اسے روک نہیں سکتا، وہ شخص اس فیصلہ کو تسلیم نہ کرے تو لوگوں کی لعنت و ملامت کا مستحق نہیں ہوگا، بلکہ اس کے اعوان و انصار خود اس کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوں گے اور لوگوں کے درمیان اس معاملہ میں شدید اختلاف و نزاع کی صورت پیدا ہو جائے گی، اسی وجہ سے رسول صادق و مصدوق ﷺ نے امت اسلامیہ کے سلسلہ میں فرمایا تھا:

”وما لم تحکم أئمتهم بكتاب الله إلا جعل الله بأسهم بينهم“۔ (۱)

جب اس امت کے ائمہ کتاب اللہ سے فیصلہ کرنا چھوڑ دیں گے تو اللہ تعالیٰ اس امت کے اندر اختلاف ڈال دے گا۔ اسلامی تعلیمات جملہ حقوق کی محافظ ہیں خواہ وہ حقوق عام ہوں یا خاص، مادی ہوں یا معنوی۔ اسلام غصب کردہ حقوق ان کے اہل کو واپس دلاتا اور ایسے لوگوں کی تائید و تقویت فرماتا ہے، بلکہ حقوق کی حفاظت پر اجر عظیم کا وعدہ کرتا ہے اور حقوق کی حفاظت میں اگر موت واقع ہو جائے تو اس موت کو شہادت کا درجہ دے کر اسے دخول جنت کا باعث اور انبیاء و صلحاء اور شہداء

(۱) یہ حدیث ایک طویل حدیث کا جزء ہے، ملاحظہ ہو: سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب العقوبات (۴۰۱۹) نیز علامہ البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے، دیکھئے:

سلسلة الاحادیث الصحیحة ۱/ ۱۶۷ تا ۱۶۹ (۱۰۶)

وصد یقین کے مقام و مرتبہ تک پہنچنے کا ذریعہ قرار دیتا ہے، چنانچہ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

”من قتل دون دمه فهو شهيد، ومن قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون عرضه فهو

شهيد“۔ (۱)

جو شخص اپنی جان کی حفاظت میں قتل ہو جائے وہ شہید ہے، جو اپنے مال کی حفاظت میں قتل ہو جائے وہ شہید اور جو اپنی عزت کی حفاظت میں قتل ہو جائے وہ شہید ہے۔

جب عام انسانی حقوق کی حفاظت میں موت شہادت کا درجہ رکھتی ہے تو اسلام کے کسی حق کے دفاع و حفاظت میں ہونے والی موت یقیناً سب سے اعلیٰ و ارفع درجہ کی شہادت ہوگی، بلکہ اسلام نے تو جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب دی ہے اور اسے اسلام کا مقدس ترین فریضہ قرار دیا ہے، جہاد اگر خالص اللہ کے لئے اور اس کے راستہ میں مقدسات اسلامیہ پر دست درازی کرنے والوں کی سرکوبی، شعائر اسلام کی حفاظت، مسلمانوں کے حقوق کے دفاع، حق کی مدد اور باطل کا قلع قمع کرنے کے لئے ہو تو یہ سب سے افضل عمل اور مقدس ترین قربانی ہے، ایسے موقع پر ایک مومن کی تمنا یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و رضامندی کے حصول اور اس کے اس وعدہ کی تصدیق میں اپنی جان، مال اور اپنا سب کچھ قربان کر دے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴾ (محمد: ۷)

اے اہل ایمان! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا اور تم کو ثابت قدم رکھے گا۔

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَلِيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾ (الحج: ۴۰)

جو شخص اللہ کی مدد کرتا ہے اللہ اس کی ضرور مدد کرتا ہے، بے شک اللہ توانا اور غالب ہے۔



دارالحدیث رحمانیہ، دہلی کے قیام کا پس منظر

مولانا اسعد اعظمی / استاذ جامعہ سلفیہ

(۱)

دارالحدیث رحمانیہ کن حالات میں قائم ہوا، اس کے قیام کے محرکات کیا تھے، اور کون کون لوگ اس کے قیام کی تحریک کے روح رواں تھے، اس تعلق سے جن تحریروں پر ہماری نظر پڑی ان میں بظاہر کچھ اختلاف نظر آتا ہے، مگر اس اختلاف کے دفعیہ کی شکلیں بھی ڈھونڈھی جاسکتی ہیں۔

ایک تحریر اس بات پر دال ہے کہ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی علیہ الرحمۃ نے ایک خاص موقع پر شیخ عبدالرحمن اور شیخ عطاء الرحمن کو مدرسہ کی تاسیس کی ترغیب دلائی، اور وہ موقع یہ تھا کہ ”ایک مرتبہ مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی دہلی تشریف لے گئے، شیخ عبدالرحمن و عطاء الرحمن صاحبان کے یہاں قیام تھا، اتفاق سے ان کی بہن کو کچھ ایسی تکلیف تھی کہ لوگوں کو شبہ ہوا کہ جناتی حرکت ہے، مولانا کے سامنے تذکرہ آیا، آپ نے ایک تعویذ دے دیا، بہن بھلی چنگی ہو گئی، لیکن اس کے بعد ہی شیخ صاحبان کا بھانجلا پتہ ہو گیا، ایک سیٹھ کا بھانجہ تھا، اس کی تلاش پر کافی اخراجات ہوئے لیکن پتہ نہ چل سکا، کچھ دنوں بعد ”پارہتی پور“ بنگال کے اسٹیشن پر کسی نے پہچانا، شیخ صاحب کو خبر دی گئی، آدمی آیا اور اس لڑکے کو دہلی لے گیا۔

اس بچہ کے مل جانے کی خوشی میں یہ لوگ اپنی دولت سے شکر ادا کرنے کا پروگرام بنا رہے تھے، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی نے مشورہ دیا کہ سب سے اچھا شکرانہ یہ ہے کہ ایک مدرسہ کھول دیں، چنانچہ یہ مشورہ ان لوگوں کو بہت پسند آیا، اور عبدالرحمن صاحب کے نام کی مناسبت سے مدرسہ رحمانیہ کھول دیا۔“ (۱)

مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈاگری رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ کو اور کچھ دوسرے حالات کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”ان تفصیلات کو پڑھ کر ہمیں حسب ذیل معلومات حاصل ہوئیں:

اول یہ کہ ”مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ“ کو مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی کے نیک مشوروں سے قائم کیا گیا، کہاں شیخ عبدالرحمن صاحب اور عطاء الرحمن صاحب اپنے گمشدہ بھانجے کے مل جانے پر فرحت و شکرانے کے طور پر کھلانے پلانے پر

(۱) مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی: حیات اور خدمات، تالیف: محمد فضل الرحمن سلفی، ص: ۹۳-۹۴، ایضاً ماہنامہ محدث بنارس، اگست ۱۹۹۲ء، ص: ۱۳۔

ہزار ہا ہزار روپیہ صرف کرنا چاہتے تھے، لیکن مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی کے حقیقی مشورہ کو ان دونوں بھائیوں نے قبول کر لیا، اور اس رقم کو کارآمد اور نفع بخش یادگار یعنی مدرسہ کا بنانا منظور کر لیا، اور پھر مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ عالم وجود میں آ گیا، تو دراصل مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی علیہ الرحمۃ کی صحیح یادگار ہے، اور ان ہی کے نیک مشورہ کو ان حضرات نے سر آنکھوں پر رکھ کر مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ کا افتتاح و آغاز کیا، وہ حضرات آپ کی باتوں کی قدر و قیمت کو سمجھتے تھے.....“ (۱)

ایک دوسری تحریر جناب محمد فاروق اعظمی (جلگاؤں) کی بھی ملاحظہ ہو جو مذکورہ بالا پس منظر کی بڑی حد تک تائید کرتی ہے، موصوف لکھتے ہیں:

”جب میں نے دارالحدیث رحمانیہ دہلی اور اس کے نامور فضلاء کے بارے میں کچھ مواد فراہم کرنے کی کوشش کی تو مجھے سخت دشواری ہوئی، اس سلسلہ میں میں نے محدث کبیر حضرت الشیخ مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی حفظہ اللہ سے اپنے ارادے کا اظہار کیا تو انہوں نے بڑی شفقت اور خندہ پیشانی سے میری رہنمائی فرمائی اور استفادہ کے لئے رسالہ محدث دہلی کی پرانی فائلیں بھی فراہم کر دیں، جس کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوئی کہ ماضی قریب میں جماعت کے دردمندوں کو اس بات کی سخت تشویش تھی کہ اکابر علمائے اہل حدیث ایک ایک کر کے اٹھتے جا رہے ہیں، ان کی جگہ لینے والا کوئی نہیں ہے، تعلیم و تعلم کے سلسلے ٹوٹ رہے ہیں اور ملک کے طول و عرض میں کوئی ایسی مثالی و معیاری سلفی درس گاہ نہیں جہاں باقاعدہ تعلیم و تربیت کا نظم ہو اور آنے والی نسلوں کو اپنے اسلاف کی نیابت اور عامۃ المسلمین کی قیادت کے لئے تیار کیا جاسکے۔ لہذا حافظ مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی علیہ الرحمۃ نے دہلی کے رئیس کبیر جناب شیخ عبدالرحمن کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ شہر دہلی میں ایک ایسی مرکزی درس گاہ کا قیام عمل میں لایا جائے جو اس خلا کو پُر کر سکے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس تجویز کے محرک مولانا ابراہیم صاحب سیالکوٹی تھے، اولیت جس کو بھی حاصل ہو، یہ حقیقت ہے کہ اول روز ہی سے یہ دونوں حضرات اس تحریک کے حامی، مؤید اور فعال رکن رہے، اور اپنے تعاون و اشتراک سے اس تحریک کو تقویت پہنچاتے رہے۔“ (۲)

جیسا کہ اعظمی صاحب نے صراحت کی ہے یہ معلومات انہوں نے دارالحدیث رحمانیہ دہلی ہی کے ترجمان رسالہ محدث میں شائع شدہ مواد سے اخذ کی ہے۔

ماہنامہ محدث بنارس میں فاروق اعظمی صاحب کا مضمون بعنوان ”دارالحدیث رحمانیہ دہلی مرحوم“ اکتوبر ۱۹۸۴ء میں شائع ہوا تھا جس کا اقتباس اوپر نقل کیا گیا ہے، محدث بنارس ہی کے حوالے سے یہ مضمون ”الاعتصام“ لاہور کے یکم مارچ ۱۹۸۵ء کے شمارے میں طبع ہوا، اس کے علاوہ الارشاد جدید کراچی میں بھی یہ مضمون شائع ہوا۔ مضمون کی اشاعت کے لگ

بھگ تین برس بعد مولانا محمد اسلم سیف فیروز پوری (ماموں کا نجن، پاکستان) (متوفی ۱۴۱۷ھ) نے ہفت روزہ ”الاعتصام“ لاہور کے ۴ ستمبر اور ۱۱ ستمبر ۱۹۸۷ء کے شماروں میں دو قسطوں میں ”دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے قیام کا پس منظر“ کے عنوان سے اعظمی صاحب کے مضمون پر ایک تعاقب شائع فرمایا جو زیر بحث معاملہ پر گفتگو کے علاوہ کچھ مزید تاریخی حقائق پر بھی مشتمل ہے، اس لئے اسے مکمل طور پر قارئین کے سامنے رکھ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، مضمون اس طرح ہے:

ایک تعاقب
مولانا محمد اسلم سیف فیروز پوری، ماموں کا نجن

دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے قیام کا پس منظر

پندرہ روزہ الارشاد جدید کراچی کے جولائی کے تیرہ اور چودہ نمبر شمارہ میں دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے عنوان سے ایک مضمون مولانا محمد فاروق اعظمی جلاکوں کا شائع ہوا ہے، جس میں موصوف نے دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے قیام کا تاریخی پس منظر بیان فرمایا ہے، موصوف نے یہ لکھا ہے کہ دارالحدیث رحمانیہ کے محرک صاحب حسن البیان حضرت مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی تھے یا امام العصر حضرت مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی تھے، اس بارے میں راقم کو جو موثق اور مستند معلومات حاصل ہوئی ہیں وہ قارئین الاعتصام کے پیش خدمت ہیں۔

امیر المجاہدین، ولی کامل حضرت صوفی محمد عبداللہ بانی جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کا نجن اس امر کے راوی ہیں اور انہوں نے یہ روایت بارہا متعدد مجالس میں علماء، جامعہ کے اساتذہ، طلباء اور اپنے عقیدت مندوں میں بیان فرمائی کہ جنگ عظیم اول جو ۱۹۱۴ء سے شروع ہو کر ۱۹۱۹ء میں ختم ہوئی، یہ جنگ کا زمانہ تھا، جنگ عظیم اول اپنے زوروں پر تھی، ایک طرف برطانیہ عظمیٰ اور اس کے یورپین اتحادی تھے، دوسری طرف جرمنی اور خلافت عثمانیہ ان سے برسر پیکار تھی، یہ وہی جنگ ہے جس میں خلافت عثمانیہ کے ماتحت سترہ بلقانی ریاستیں اور یورپ کے مشرقی ممالک یوگوسلاویہ، چیکوسلاویہ، البانیہ، رومانیہ، ہنگری وغیرہ ترکوں سے چھین کر آزاد قرار دیے گئے، موجودہ تمام عرب ممالک نجد کے بغیر ترکوں کے ماتحت صوبے تھے، جسے عرب قومیت کے نام پر بیروت کے عرب عیسائی دانشوروں، لبنان کے عیسائی، عرب صحافیوں اور لارنس آف عربیہ نے عرب شیخ المشائخ کے روپ میں برطانیہ عظمیٰ کی سازش سے عرب مسلمانوں کو خلافت عثمانیہ سے برگشتہ کر کے خود ہتھیالیا، ایسے عالم میں تحریک مجاہدین یعنی جمعیت عالیہ مجاہدین چمرقند و اسمست نے سر توڑ کوشش کی کہ کسی طرح مسلمانوں کا یہ عالمی مرکز خلافت عثمانیہ شکست و ریخت سے بچ سکے، نیز ہندوستان کو کسی طریق سے فرنگی سامراج کی ڈیڑھ صد سالہ غلامی سے نجات مل سکے، چنانچہ افغانستان میں ایک عارضی آزاد ہند حکومت قائم کی گئی، جس میں اہل حدیث کے جلیل القدر فرزند ان گرامی مولانا محمد بشیر لاہوری، مولانا فضل الہی وزیر آبادی، مولانا محمد علی قصوری ایم اے کٹھن پیش پیش تھے.....

جمعیت مجاہدین کی یہ کوشش جب کامیاب نہ ہوئی تو انہوں نے ایک دوسرا پروگرام وضع کیا اور اس میں دارالعلوم دیوبند

کے مشائخ کا اشتراک و تعاون چاہا، چنانچہ اس مہم کے لئے جمعیت عالیہ مجاہدین نے حضرت صوفی محمد عبداللہ کو منتخب کیا، صوفی صاحب کی جوانی کی دوپہر اس وقت ڈھلنا شروع ہو گئی تھی، چنانچہ حضرت صوفی صاحب نے فرمایا کہ میں مرکز مجاہدین کا پیغام لے کر مدرسہ قاسمیہ عرف دارالعلوم دیوبند ضلع سہارنپور، یوپی میں پہنچا، پیغام دارالعلوم کے شیخ الحدیث علامہ انور شاہ کشمیری کی خدمت میں پہنچا تھا، علامہ انور شاہ صاحب اس وقت ترمذی شریف پڑھا رہے تھے، صوفی صاحب نے فرمایا کہ علامہ صاحب موصوف ترمذی کی ایک ایک روایت کا رد فقہ کے دلائل سے بیان کر رہے تھے، مجھ سے نہ رہا گیا، میں نے کہا حضرت آپ ترمذی پڑھا رہے ہیں یا اس کی تردید فرما رہے ہیں، علامہ انور شاہ صاحب نے مجھ سے کہا کہ تم ترمذی پڑھے ہوئے ہو، میں نے کہا نہیں، انہوں نے کہا کہ جب تم پڑھے ہوئے نہیں ہو تو تمہیں کیا معلوم کہ پڑھا رہا ہوں یا اس کی تردید کر رہا ہوں، میں نے کہا جو آدمی دینی مسائل کا ادنیٰ شعور بھی رکھتا ہے وہ ایک لمحے میں کتاب کی پڑھائی اور اس کی تردید کا فرق محسوس کر لیتا ہے، اتنی سی بات تھی کہ علامہ صاحب کے حلقہ تلامذہ میں شامل پٹھان طالب علم مکے گھونسنے اور چاقو لے کر میری طرف لپکے لیکن میں نے کہا کہ میں جماعت مجاہدین کا پیغام علامہ صاحب کے نام لے کر آیا ہوں، مجھے اگر تم سے کسی قسم کا گزند پہنچا تو اس کا خمیازہ بھگتنے کے لئے تیار رہو، کیونکہ میں جماعت مجاہدین کا پیغام رساں ہوں، علامہ انور شاہ صاحب نے طلبا کو سختی سے ڈانٹا اور ان کو مجھ سے دست درازی سے منع فرمایا اور طلبا کو حکم دیا کہ وہ مجھے مہمان خانہ میں لے جائیں، نیز علامہ صاحب نے فرمایا کہ سبق سے فراغت کے بعد میں بھی وہاں آ جاؤں گا، وہ دونوں لڑکے جن کے سپرد مجھے کیا گیا تھا کہنے لگے حضرت تم بڑے خوش نصیب ہو، اس جسارت سے بال بال بچ گئے ہو ورنہ تم ان پٹھان طالب علموں کی خون آشامی کی نذر ہو جاتے، انہوں نے کہا ہم اہل حدیث ہیں، ستر اسی اہل حدیث طالب علم اور بھی یہاں پڑھتے ہیں، ہم اپنا مسلک چھپ چھپا کر اور اپنے کو خفی ظاہر کر کے تعلیم حاصل کرتے ہیں، صوفی صاحب نے ان سے دریافت کیا کہ کیا تم فراغت تک اہلحدیث ہی رہتے ہو، انہوں نے کہا کہ ہم میں غالب اکثریت تو خفی ہو جاتی ہے، البتہ چند وہ طالب جن کا گھریلو ماحول خالص دینی علمی اور مسلکی ہو وہ ثابت قدم رہتے ورنہ ہم ع ”ہر کہ درکان نمک رفت نمک شد“ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

صوفی صاحب نے فرمایا تم اہلحدیث مدارس میں کیوں داخل نہیں ہو جاتے، انہوں نے جواباً کہا پہلے تو اہلحدیث مدارس ہی کہاں ہیں جہاں ہم داخل ہوں، دو چار جو ہیں وہ بھی چند طلباء سے زائد داخل نہیں کر سکتے، اگر ہمارا بندوبست ہو جائے تو ہم تمام اہل حدیث طلباء دارالعلوم دیوبند سے نکل سکتے ہیں۔

(جاری)

زوراء والی اذان مسجد میں دینا کیا یہ اذان عثمانی ہے؟

اعداد: ابو طاہر بن عزیز الرحمن سلفی
استاذ جامعہ اسلامیہ، صاحب گنج

جمعہ کے دن مسجد میں دو اذان دینا، ایک خطبہ والی، دوسری اس سے قبل لوگوں کو وقت معلوم کرانے کے لئے، جسے اذان عثمانی کہا جاتا ہے، کیا حقیقت یہ اذان عثمانی ہے؟ اور کیا جمعہ کے لئے مسجد میں دو اذان دینی جائز ہے؟ آئیے اس کا تحقیقی جائزہ لیا جائے۔

صحیح بخاری: کتاب الجمعة باب الأذان يوم الجمعة اور باب التأذين عند الخطبة کے اندر سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: ”ان الأذان يوم الجمعة كان أوله حين يجلس الإمام يوم الجمعة على المنبر في عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وعمر، فلما كان في خلافة عثمان وكثر الناس أمر عثمان يوم الجمعة بالأذان الثالث فأذن به على الزوراء، فنبت الأمر على ذلك.“
جمعہ کے دن رسول اللہ ﷺ ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں پہلی اذان اس وقت ہوتی تھی جبکہ امام خطبہ دینے کے لئے منبر پر بیٹھتے تھے لیکن عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب مدینہ میں لوگوں کی کثرت ہوئی تو انہوں نے (منبر والی اذان سے پہلے مسجد سے دور) مقام زوراء میں تیسری اذان دینے کا حکم دیا اور اسی پر حکم جاری ہو گیا۔

امام بخاری کی تشریح کے مطابق مدینہ کے بازار میں ایک جگہ کا نام زوراء ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ یہی قول صحیح ہے، ایک قول یہ بھی ہے کہ مسجد کے دروازہ کے پاس ایک بڑا پتھر کو زوراء کہتے ہیں لیکن یہ غلط ہے کیونکہ صحیح ابن خزیمہ اور سنن ابن ماجہ میں بسند صحیح مروی ہے کہ ”زاد النداء الثالث على دار في السوق يقال لها الزوراء“ تیسری اذان بازار میں ایک گھر کی چھت پر زیادہ کیا جس کو زوراء کہا جاتا ہے۔ (صحیح سنن ابن ماجہ ۳۳۶/۱) اور طبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ: ”فأمر بالنداء الأول على دار له يقال لها الزوراء“ پہلی اذان عثمان رضی اللہ عنہ کے ایک گھر کی چھت پر دینے کا حکم دیا جس کو زوراء کہا جاتا تھا۔ (فتح الباری ۵۰۱/۲)

حدیث کے الفاظ ”فثبت الأمر على ذلك“ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں عثمان رضی اللہ عنہ کے اس حکم پر تمام دیار اسلام میں عمل ہونے لگا تھا، لیکن معاملہ ایسا نہیں کیونکہ علامہ فاکہانی نے بیان کیا ہے کہ یہ اذان مکہ میں سب سے پہلے حجاج بن یوسف نے دلوئی اور بصرہ میں زیاد نے، حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ مجھے خبر ملی ہے کہ بلاد مغرب ادنیٰ یعنی

لیبیاء، الجزائر، مراکش اور تیونس میں اب بھی ایک ہی اذان دی جاتی ہے۔ (فتح الباری ۲/۵۰۱ و نیل الاوطار ۳/۲۶۳ و تحفۃ الاحوذی ۳/۴۰-۴۱ و عون المعبود ۳/۳۰۳)

حافظ ابن حجر عسقلانی اور دیگر شراح کی تشریح سے معلوم ہوتا ہے کہ راوی کا قول ”فثبت الأمر علی ذلك“ کا مطلب یہ ہے کہ یہ حکم صرف مدینہ میں جاری رہا نہ کہ تمام دیار اسلام میں اور یہ اذان مقام زوراء ہی میں دی جاتی رہی نہ کہ مسجد میں چنانچہ صاحب عون علامہ شمس الحق عظیم آبادی فرماتے ہیں: ”ثم انه لما تولی هشام بن عبد الملك أخذ الأذان الذي فعله عثمان بالزوراء وجعله علی المنار“ جب هشام بن عبد الملك خلیفہ بنے تو انہوں نے اذان عثمانی کو زوراء سے مسجد کے منار پر لائے۔ (عون المعبود ۳/۳۰۵)

ہشام بن عبد الملك بنو امیہ کے حکمران میں سے ہیں جو عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے اسی سال بعد خلیفہ بنائے گئے تھے۔ (فتح الباری ۲/۵۰۲) لہذا آج کل جو لوگ جمعہ کے دن پہلی اذان مسجد کے منار پر یا مسجد میں دیتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم سنت عثمانی پر عمل کر رہے ہیں، ان کا یہ خیال غلط ہے، یہ اذان عثمانی نہیں بلکہ اذان ہشامی ہے، یہ اذان عثمانی تو اس وقت ہوتی جبکہ یہ مسجد سے دور کھیت یا بازار میں دی جاتی، جیسا کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے دلوائی تھی۔

بعض خفیوں کا کہنا ہے کہ جمعہ کے دن پہلی اذان جس کو عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے جاری کیا تھا، جس پر اس زمانہ کے تمام صحابہ کرام نے سکوت اختیار کیا تھا اور کسی نے بھی اعتراض نہیں کیا پھر سنن ابی داؤد وغیرہ میں مروی ہے کہ: ”علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين“ لہذا یہ مسنون ہے۔

اس کا جواب دیتے ہوئے علامہ عبد الرحمن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ ”تحفۃ الاحوذی“ (۳/۴۰-۴۱) کے اندر فرماتے ہیں کہ ”سنة الخلفاء الراشدين“ سے ان کی وہ سنت مراد ہے جو رسول اللہ ﷺ کی سنت کے موافق ہو، اور اذان عثمانی رسول اللہ ﷺ کی سنت کے موافق نہیں ہے بلکہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کا اجتہاد تھا، جس کی وجہ سے ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ان پر اسی وقت اعتراض کیا تھا اور فرمایا تھا: ”الأذان الأول يوم الجمعة بدعة“ جمعہ کے دن پہلی اذان بدعت ہے۔ (مصنف ابن شیبہ ۴/۱۳۲) اس اذان کو حسن بصری نے بھی بدعت قرار دیا ہے۔ (حدیث خیر و شر، ص ۱۲۴)

اس اذان کو علامہ امیر میمانی نے بھی بدعت قرار دیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ”أما الأذان قبل الجمعة فهو محدث بعد وفاته ﷺ ولا يسمى أذاناً شرعياً“ جمعہ سے قبل اذان دینا یہ رسول اللہ ﷺ کے بعد ایجاد کی گئی ہے اسے شرعی اذان نہیں کہا جائے گا۔ (سبل السلام ۱/۲۰۹)

اور علامہ امیر میمانی ایک جگہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نے بہت سارے واقعات اور مسائل میں شیخین کی مخالفت کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام ”علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين“ والی حدیث کو خلفاء راشدین کے ہر قول

وفعل کے حجت ہونے پر محمول نہیں کرتے تھے ورنہ وہ بہت سارے مسائل میں ان کی مخالفت نہ کرتے۔ (سبل السلام ۲/۳۹۴)

اور علامہ برماوی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث یعنی ”علیکم بسنتی وسنة الخلفاء“ بتا رہی ہے کہ جب چاروں خلفاء کسی مسئلہ پر متفق ہوں تب حجت ہے نہ کہ اس وقت جبکہ ان میں سے کوئی منفرد ہوں۔ (سبل السلام ۲/۳۹۴) اور جمعہ کے دن زوراء والی اذان میں خلفاء اربعہ کا اتفاق نہیں ہے، اس لئے اسے مسنون قرار دینا غلط ہے۔

اس سلسلے میں علامہ عبدالرحمن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ حتمی فیصلہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں: جب معلوم ہو گیا کہ خلفاء راشدین کی سنت سے ان کے وہ طریقے مراد ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے موافق ہو، تو واضح ہو گیا کہ ”علیکم بسنتی وسنة الخلفاء“ والی حدیث سے جمعہ کی تیسری اذان جو عثمان رضی اللہ عنہ کے اجتہاد سے جاری کی گئی تھی اس کی سنیت کا استدلال کرنا غلط ہوگا، کیونکہ ان کو اسی وقت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بدعت قرار دیا تھا، اگر یہ استدلال صحیح ہوتا اور تیسری اذان سنت ہوتی تو اس پر بدعت کا اطلاق نہ کرتے خواہ انکار کے قبیل سے ہو یا غیر انکار کے قبیل سے کیونکہ مسنون امر پر لفظ بدعت کا اطلاق کرنا کسی بھی معنی میں ہو، جائز نہیں۔ (تحفۃ الاحوذی ۴/۴۱۳)

علامہ عبدالرحمن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ عبارت کے ذریعہ ان لوگوں کی تردید کردی جو لوگ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا تیسری اذان کو بدعت قرار دینا انکار کے قبیل سے تھا۔

اور علامہ عبید اللہ مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جس طرح عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مدینہ میں ندائے عثمانی کی ضرورت پڑی تھی، ٹھیک اسی طرح اگر کسی ملک میں آج بھی ضرورت درپیش ہو تو یہ اذان مسجد کے باہر کسی اونچی جگہ میں خواہ منار ہو یا گھر کی چھت پر ہودی جاسکتی ہے اور اگر ضرورت نہیں ہے تو میرے نزدیک صرف خطبہ والی اذان ہی پر اکتفاء کرنا متعین ہے۔ (مرعاة المفاتیح ۴/۴۹۳)

معزز قارئین! صاحب مرعاة علامہ عبید اللہ مبارکپوریؒ کے فیصلہ پر غور کریں انہوں تو معاملہ صاف کر دیا کہ اگر ضرورت نہیں تو خطبہ والی اذان ہی پر اکتفاء کرنا متعین ہے اور اس دور میں جبکہ اکثر لوگوں کے ہاتھ میں گھڑی ہے تمام امور گھڑی دیکھ کر انجام دیئے جاتے ہیں، کھیت جاتے ہیں، بازار جاتے ہیں، کہیں بھی جاتے ہیں گھڑی ساتھ رہتی ہے، ہر روز گھڑی دیکھ کر ظہر کی نماز کی تیاری کرتے ہیں اور ظہر کی نماز ادا کرتے ہیں تو کیا جمعہ کے دن گھڑی دیکھ کر جمعہ کی تیاری نہیں کر سکتے؟ بالکل کر سکتے ہیں، لہذا اس دور میں اذان عثمانی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اور مولانا عبد المتین میمن جو ناگڑھی رحمۃ اللہ علیہ پالن حقانی حنفی کے جواب میں فرماتے ہیں: اور جو ضرورت محسوس کر کے عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک اضافی اذان مسجد کے باہر دلوائی، آج وہ ضرورت پوری ہو چکی، گھڑی اور لاؤڈ اسپیکر نے وہ علت ختم کر دی، تب بھی اس اذان کو گلے لگائے ہوئے ہیں، یہ تو ایسی روش ہے کہ جس سے نہ تو عثمان رضی اللہ عنہ خوش ہوں گے

اور نہ رسول اللہ ﷺ راضی ہوں گے۔ (حدیث خیر و شر ص ۱۳۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ﴾ (سورہ جمعہ: ۹) اے مومنو! جب جمعہ کے دن نماز کی اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف فوراً آ جاؤ اور کاروبار بند کر دو۔

اس آیت کریمہ میں ”نودی“ سے مراد یقیناً خطبہ والی اذان ہے، لہذا جب اللہ تعالیٰ خطبہ والی اذان کے وقت لوگوں کو بلاتا ہے تو اس قبل بلاؤ والی اذان کی کوئی ضرورت ہی نہیں، ہاں یہ الگ بات ہے کہ پہلے آنے کی فضیلت بہت ہے، جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

زوراء والی اذان عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک وقتی ضرورت کے تحت اپنے اجتہاد سے جاری کیا تھا اور واضح رہے کہ خلفا راشدین نے جو کام سیاست یا کسی وقت ضرورت کے باعث کیا یا کرایا وہ ہمارے لئے واجب الاتباع نہیں ہے، ذرا سوچیں! عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ملک شام کے ایک آدمی نے حج تمتع کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے حج تمتع کرنے کا فتویٰ دیا، اس آدمی نے کہا کہ آپ کے والد تو اس سے منع کرتے تھے، اس پر انہوں نے فرمایا: ”أمر أبي يتبع أم أمر رسول الله ﷺ؟“ میرے باپ کی اتباع واجب ہے یا رسول اللہ ﷺ کی؟ (جامع ترمذی ابواب الحج، باب ماجاء فی التمتع وسندہ صحیح) بعض لوگ کہتے ہیں کہ مکہ اور مدینہ میں یعنی حرمین شریفین میں جمعہ کے لئے دواذان دی جاتی ہے اور آپ لوگ کہتے ہیں کہ جائز نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حاکم نے مستدرک کے اندر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بسند حسن روایت کیا ہے کہ ”ترکت فیکم ما ان اعتصمتم به فلن تضلوا أبداً، کتاب اللہ وسنة نبیہ“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہارے اندر ایسی چیزیں چھوڑ جاتا ہوں جس کو مضبوطی سے پکڑے رہنے سے کبھی بھی گمراہ نہیں ہو گے، وہ کتاب اللہ اور نبی کی حدیث ہے۔

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حجت صرف قرآن اور حدیث ہے اور حدیث ”ما أنا علیہ وأصحابی“ سے معلوم ہوتا ہے کہ اجماع صحابہ حجت ہے، اس کے علاوہ کوئی چیز حجت نہیں ہے، خواہ اہل مکہ کا عمل ہو یا اہل مدینہ کا یا پوری دنیا کا، اس لئے کہ آپ کا کہنا کہ حرمین شریفین میں دواذان دی جاتی ہے، یہ کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جمعہ کے دن مسجد میں دواذان دینی نہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور نہ عام حالات میں خلفاء اربعہ سے، اس لئے یہ بدعت ہے۔

انہی میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن وحدیث سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دے، آمین۔

غسل کے احکام و مسائل کتاب سنت کی روشنی میں

(۱) مولانا عبدالولی عبدالقوی سلفی
مکتب دعوت و توعیۃ الجالیات، سعودی عرب

(۱) کن حالات میں غسل واجب ہے:

مندرجہ ذیل حالات میں مسلمان مرد و عورت پر غسل واجب ہو جاتا ہے:

(۱) منی کے نکلنے سے:

اگر مرد یا عورت بحالت بیداری نظر بازی، شہوانی خیالات یا میاں بیوی کے باہم بوس و کنار ہونے کی وجہ سے جوش و لذت کے ساتھ منی کا خروج ہو، تو ان دونوں پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔

کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

”اذا رأیت المذی فاعسل ذکرك وتوضأ وضوءك للصلاة فاذا فضخت الماء فاعتسل“۔

جب دیکھو کہ مذی کا خروج ہوا ہے تو اپنے آلہ تناسل کو دھو لو اور اس طرح وضو کرو جس طرح نماز کے لئے وضو کرتے ہو اور اگر پانی جوش کے ساتھ نکلے تو غسل کرو۔ (نسائی، الطہارۃ، باب الغسل من المنی ح ۱۹۳، ابوداؤد: ۲۰۶، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: صحیح النسائی ۶۹۱، ارواء الغلیل ۱۶۲)

اور اگر بیماری یا قوت باہ کی کمزوری کی وجہ سے بحالت بیداری بغیر لذت و جوش کے منی کا خروج ہو تو اس سے غسل واجب نہیں ہوتا۔

واضح رہے کہ مرد کی منی سفید گاڑھی اور عورت کی منی زرد پتلی ہوتی ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ان ماء الرجل غلیظ أبيض وماء المرأة رقیق أصفر“۔

بیشک مرد کا پانی (منی) گاڑھا سفید ہوتا ہے اور عورت کا پانی (منی) پتلا زرد ہوتا ہے۔ (مسلم، الحجیض، باب وجوب الغسل علی المرأة بخروج المنی منها، ح: ۳۱۱)

اور اگر بحالت نیند منی کا خروج ہو جسے احتلام کہا جاتا ہے تو اس سے غسل واجب ہو جاتا ہے، گرچہ لذت محسوس نہ کرے۔

ابوسعيد خدرى رضى الله عنه بيان كرتے هیں كہ رسول الله ﷺ نے فرمایا:

”انما الماء من الماء“ پانی (منى) كے نكلنے سے غسل واجب ہو جاتا هے۔ (مسلم، الحیض، باب انما الماء من الماء ح ۳۴۳)
ام سلمه رضى الله عنها روايت كرتى هیں كہ ام سليم رضى الله عنها نے رسول الله ﷺ سے كہا: اے الله كے رسول ﷺ يقيناً
الله حق سے نهیں شرما تا، كيا عورت پر غسل هے جب اس كو احتلام هو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”هائ“، ليكن جب پانی (منى كا نشان)
ديكھے..... آخر ترك۔ (بخارى، الغسل، باب اذا احتلمت المرأة ح ۲۸۲، مسلم، الحیض، باب وجوب الغسل على المرأة بخروج المنى
منها، ح ۳۱۳)

چنانچہ عورت يا مرد نيند سے بيدار هو كر منى كا نشان ديكھیں، تو ان پر غسل واجب هے، گر چه خواب ياد نہ هو اور اگر خواب تو
ياد هو ليكن منى كا نشان نہ پائیں تو غسل واجب نهیں هے۔

عائشه رضى الله عنها روايت كرتى هیں كہ رسول الله ﷺ سے پوچھا گيا كہ كوئى شخص نيند سے بيدار هو كر اپنے كپڑے ميں
منى كى ترى ديكھے، ليكن اسے خواب ياد نہ هو، تو آپ ﷺ نے فرمایا: وه غسل كرے اور ايك شخص اسے خواب تو ياد هو، ليكن اپنے
كپڑے ميں ترى نہ ديكھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس پر غسل نهیں۔ (ابوداود، الطهارة، باب فى الرجل يجد البلة فى منامه، ح:
۲۳۶، ابن ماجه، الطهارة، باب من اتمم ولم ير بطلا، ح: ۶۱۲، علامه البانى رحمه الله نے اس حديث كو حسن كہا هے، ديكھئے: صحيح
ابوداود: ۴۶۱/۱، ح: ۲۱۶)

عمر بن خطاب رضى الله عنه نے لوگوں كو نماز فجر پڑھائى، نماز سے فراغت كے بعد اپنے كپڑے ميں منى كا نشان ديكھا،
تو غسل كيا، اپنے كپڑے كو دھلا اور دوبارہ نماز پڑھی۔ (موطأ امام مالك، ۴۹۱/۱، ح: ۱۱۱، مصنف عبد الرزاق ۲/۳۷۷، ح:
۳۶۴، بيهقي ۴۰۵/۱، ح: ۱۷۶۰)

(۲) آله تناسل كا شرمگاه ميں داخل كرنا:

ابو هريره رضى الله عنه بيان كرتے هیں كہ رسول الله ﷺ نے فرمایا:

”اذا جلس بين شعبها الأربع ثم جهدها فقد وجب عليه الغسل وفي حديث مطر: وان لم ينزل.“
جب كوئى شخص اپنى بيوى سے جماع كرے تو اس پر غسل واجب هو گيا گر چه منى نہ نكلے۔ (بخارى، الغسل، باب اذا
اتقى الختان ح: ۲۹۱)

ابوموسى اشعري رضى الله عنه بيان كرتے هیں كہ مہاجرین و انصار كے درميان غسل جنابت كا مسئلہ زیر بحث آيا،
مہاجرین كا كہنا تھا كہ غسل صرف دخول هى پر فرض هو جاتا هے، انزال شرط نهیں، انصار كا كہنا تھا كہ وجوب غسل كے لئے دخول

کے ساتھ انزال شرط ہے، آخر قرار پایا کہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا جائے۔
عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اذا جلس بين شعبها الأربع ومس الختان فقد وجب الغسل“.

جب مرد عورت کی چار شاخوں کے درمیان بیٹھ جائے اور اس کا محل ختنہ عورت کے محل ختنہ کے ساتھ مس کرے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔ (مسلم، الحیض، باب لنخ الماء من الماء، ح: ۳۴۹)

(۳) کافر کا مسلمان ہو جانا:

اس مسئلہ میں اہل علم کے دو اقوال ہیں:

پہلا قول: اسلام میں داخل ہونے پر غسل واجب ہے۔

قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب وہ مسلمان ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ پانی اور پیری کے پتوں سے غسل کر لیں۔ (ابوداؤد، الطہارۃ باب فی الرجل یسلم فیومر بالغسل ح: ۳۵۵، نسائی: ۱۸۸، ترمذی: ۶۰۵، امام ترمذی رحمہ اللہ نے کہا: یہ حدیث حسن ہے، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (دیکھئے: ارواء الغلیل ۱/ ۱۶۳، صحیح النسائی ۱/ ۶۷)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ثمامہ بن اثال نے اسلام قبول کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: کہ ان کو فلاں کے باغیچے میں لے جاؤ اور کہو کہ غسل کریں۔ (مسند احمد ۲/ ۲۸۳)

مذکورہ بالا دلائل سے استدلال کرتے ہوئے اہل علم کی ایک جماعت نے کہا کہ دخول اسلام پر غسل واجب ہے۔

دوسرا قول: دخول اسلام پر غسل واجب نہیں بلکہ مستحب ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت نہیں کہ آپ نے ہر اسلام میں داخل ہونے والے کو غسل کا حکم دیا ہو، کیونکہ اگر غسل اسلام واجب ہوتا تو آپ ﷺ ہر اسلام میں داخل ہونے والے کو غسل کا حکم دیتے، اس سے معلوم ہوا کہ غسل اسلام واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

دلائل کی روشنی میں دوسرے قول کا رائج ہونا ظاہر ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

(۴) مسلمان کی موت:

شہید کے علاوہ ہر مسلمان میت کو غسل دینا واجب ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس صحابی کے بارے میں فرمایا جو میدان عرفات میں اپنی سواری سے گر کر وفات پا گئے تھے:

”اغسلوا بماء وسدر وكفنوه فى ثوبين“.

اسے پانى اور مىرى كے پتوں سے غسل دے كر دو كپڑوں مىں كفن دو۔ (بخارى، الجناز، باب الكفن فى ثوبين، ح: ۱۲۶۵)
ام عطير رضى اللہ عنہا بيان فرماتى ہىں كہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشرىف لائے، اس وقت ہم آپ كى بٹى (زىنب رضى اللہ عنہا) كو غسل دے رہے تھے، تو آپ ﷺ نے فرماىا:

”اغسلنها ثلاثا أو خمساً أو أكثر من ذلك ان رأيتن ذلك“.

تىن بار، پانچ بار، سات بار اور اگر تم مناسب سمجھو تو اس سے بھى زيادہ بار غسل دو۔ (بخارى، الجناز، باب فى غسل الميت ح: ۹۳۹)

(۵) حیض كے بعد:

عورت كو حیض كے بعد پا كى كا غسل كرنا چاہئے، جىسا كہ نبى ﷺ نے فاطمہ بنت ابى حىش رضى اللہ عنہا كے جواب مىں فرماىا:..... كہ تم اتنے دنوں تك نماز چھوڑ دىا كر وجتنے دنوں تم پہلے حائضہ ہوتى تھى، پھر جب حیض كى يمدت ختم ہو جائے تو غسل كرو اور نماز پڑھو۔ (بخارى، الحيض، باب اذا حاضت فى شهر ثلاث حيض ح: ۳۲۵، مسلم، الحيض، باب المستحاضة غسلاها وصلاتها، ح: ۳۳۳)

(۶) نفاس كے بعد:

وہ خون جو بچہ كى پيدائش پر جارى ہوتا ہے اسے نفاس كہتے ہىں اس كے ختم ہونے پر عورت پر غسل واجب ہے۔
علامہ محمد بن صالح العثيمين رحمہ اللہ فرماتے ہىں:
”علماء كا اتفاق ہے كہ جس طرح حیض سے غسل واجب ہو جاتا ہے، اسى طرح نفاس سے بھى غسل واجب ہو جاتا ہے“۔ (الشرح الممتع: ۲۸۸/۱)

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ رقمطراز ہىں:

”حیض ونفاس سے غسل كے واجب ہونے پر علماء كے درمىان كوئى اختلاف نہىں ہے“۔ (المغنى: ۱/۲۷۷)

(جارى)

حرص اور قناعت

شیخ عمر فاروق

وعن عبد الله بن عمرو رضي الله عنهما ان رسول الله ﷺ قال: ”قد أفلح من أسلم ورزق كفافا وقنعه الله بما آتاه“ (رواه مسلم، رياض الصالحين، باب القناعة والعفاف)

”حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کامیاب ہو گیا وہ شخص جو اسلام لایا اور اسے بقدر کفاف (ضروریات کے مطابق) روزی دی گئی اور جو کچھ اللہ نے اسے دیا اس پر قناعت کرنے کی توفیق عطا فرمادی۔“

”القناعة“ کے معنی ”ضروریات زندگی میں سے تھوڑی چیز پر راضی ہو جانا“ کے ہیں، قرآن حکیم میں ہے:

﴿وَأَطِيعُوا الْقَانِعَ وَالْمَعْتَرِ﴾ (الحج: ۳۶)

”اور قناعت سے بیٹھ رہنے والوں اور سوالوں کرنے والوں کو بھی کھلاؤ۔“

گویا قانع وہ لوگ ہیں جو عزت نفس کی خاطر کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتے۔

بنت الاسلام لکھتی ہیں:

”قناعت یہ ہے کہ انسان کو جائز سے جو کچھ ملا ہے وہ اس پر مطمئن رہے اور زیادہ کی حرص نہ کرے، جب دل میں کسی چیز کی حرص نہیں ہوتی تو انسان کسی شے کی طرف حریصانہ نگاہوں سے دیکھتا بھی نہیں، گویا اس کی آنکھ سیر ہوتی ہے، اس لئے اسے کسی شے کی طرف بھوکے نگاہوں سے دیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی، اس طرح قناعت اور سیر چشمی لازم و ملزوم ہیں اور ان دونوں اوصاف کا تعلق دولت کی کمی اور زیادتی سے نہیں ہوتا بلکہ دل کے حریص یا بے نیاز ہونے سے ہوتا ہے، دل کا بے نیاز ہونا یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے سوا ہر ایک سے بے نیاز ہو، بسا اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کے پاس اس کی ضروریات سے بہت زیادہ فالتو مال موجود ہوتا ہے مگر اسے اس سے بھی زیادہ کی حرص لگی ہوئی ہوتی ہے، یہ شخص (حقیقت میں) محتاج ہے، کیونکہ محتاج اسے کہا جاتا ہے جسے احتیاج ہو، یہ شخص دولت مند ہونے کے باوجود احتیاج کا شکار ہے، لہذا یہ محتاج ہے، اس کے برعکس بعض سیر چشم ایسے ہوتے ہیں کہ بمشکل ضروریات ہی پوری کر سکتے ہیں تاہم ان کے دل میں مال و دولت کی حرص نہیں ہوتی، لہذا وہ محتاج نہیں ہے (بلکہ قانع ہے)۔“ (اسوہ حسنہ جلد سوم)

اس حقیقت کو جناب رسول اللہ ﷺ نے یوں واضح فرمایا ہے:

”ليس الغنى عن كثرة العرض، ولكن الغنى غنى النفس۔“ (متفق علیہ، رياض الصالحين، باب القناعة)

”مال داری مال و اسباب کی کثرت کا نام نہیں ہے بلکہ (اصل) مال داری تو دل کی مال داری ہے۔“
یہی بات سعدی شیرازی نے اس طرح کہی ہے:

تو نگری بدل است نہ کہ بمال بزرگی بعقل است نہ کہ بسال

”یعنی امیری تو حقیقت میں دل سے ہوتی ہے نہ کہ مال سے اور بزرگی عقل و فراست سے ہوتی ہے نہ کہ درازی عمر سے۔“
کتنے ہی مالدار ہوتے ہیں جو لالچ اور حرص کے مرض میں گرفتار ہوتے ہیں اور ہر وقت ”ہل من مزید“ (کچھ اور چاہئے) کے مرض میں گرفتار ہوتے ہیں اور اپنے مال کو سینت سینت کر رکھتے ہیں اور غرباء و مساکین پر ایک حبہ بھی خرچ نہیں کرنا چاہتے، جب کہ کچھ اللہ والے ایسے بھی ہوتے ہیں جو فقر و فاقے کی حالت میں بھی دوسروں کو کھلا پلا دیتے ہیں۔ قرآن کریم نے حریص قسم کے لوگوں میں قارون کا واقعہ بیان کیا ہے۔

(ترجمہ) ”قارون، موسیٰ کی قوم کا ایک شخص تھا، پھر وہ اپنی قوم کے خلاف سرکش ہو گیا اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دے رکھے تھے کہ ان کی کنجیاں طاقتور آدمیوں کی ایک جماعت مشکل سے اٹھا سکتی تھی، ایک دفعہ جب اس کی قوم کے لوگوں نے اس سے کہا کہ اتر او نہیں، اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

(اور دیکھو) جو مال اللہ نے تجھے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر بنانے کی فکر کرو اور دنیا میں سے بھی اپنا حصہ فراموش نہ کرو، احسان کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ احسان کیا اور زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش نہ کرو، اللہ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا۔
اس نے (جواب میں) کہا:

یہ سب تو مجھے اس علم کی بنیاد پر ملا ہے جو مجھے حاصل ہے، کیا اسے علم نہ تھا کہ اللہ اس سے پہلے بہت سے ایسے لوگوں کو ہلاک کر چکا ہے جو اس سے زیادہ قوت اور جمعیت رکھتے تھے اور (روزِ محشر) مجرموں سے ان کے گناہوں کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا (وہاں تو ہر شخص کا اعمال نامہ محفوظ ہے)۔

ایک روز وہ (قارون) اپنی قوم کے سامنے اپنے پورے جاہ و جلال کے ساتھ نکلا، دنیا پرستوں نے لپکا کر کہا: اے کاش! ہمارے پاس بھی یہ (سامان آسائش) اتنی ہی کثرت میں ہوتا جتنا کہ قارون کے پاس ہے، یہ تو بڑا نصیب والا ہے۔
البتہ صاحب علم بولے: افسوس تمہارے حال پر (یاد رکھو!) جو شخص ایمان لائے اور نیک عمل کرے، اس کے لئے اللہ کا ثواب (اس سے) کہیں بہتر ہے اور یہ بات صبر کرنے والوں کو ہی سمجھائی دیتی ہے۔

آخر ہم نے اسے (قارون) اور اس کے گھر کو (گنجینہ ہائے بے بہا کے ساتھ) زمین میں دھنسا دیا، پھر اس کے حامیوں کا کوئی گروہ نہ تھا جو اللہ کے علاوہ اس کی مدد کو آتا اور نہ وہ خود اپنی مدد آپ کر سکا۔

اب وہی لوگ جو کل اس کی منزلت کی تمنا کرتے تھے، (اس انجام بد کے بعد) کہنے لگے: تعجب ہے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کا رزق چاہتا ہے کشادہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا دیتا ہے، اگر اللہ نے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو وہ

ہمیں بھی زمین میں دھنسا دیتا، افسوس (ہم کو یاد نہ رہا) کہ کافر فلاح نہیں پایا کرتے۔
(یاد رکھو کہ) یہ آخرت کا گھر ہم انہی کو دیتے ہیں جو زمین پر اپنی بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد اور نیک انجام تو اہل تقویٰ کا ہے۔
جو نیکی لے کر آئے گا، اس کے لئے اس سے بہتر جزاء ہوگی اور جو برائی لے کر آئے گا تو اسے اپنے اعمال کے مطابق ہی بدلہ ملے گا۔“ (القصص: ۷۶-۸۴)

آئیے اب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حال معلوم کریں جو بھوک اور فاقہ مستی کے احوال میں بھی بے دست و پا لوگوں کی مدد کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، قرآن بیان کرتے ہیں: ﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ (الحشر: ۹)

”اور یہ (نفوس قدسیہ) اپنی ذات پر (دوسروں کو) ترجیح دیتے ہیں خواہ خود فاقہ سے ہوں۔“
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ! مجھے بھوک نے ستایا ہے، آپ ﷺ نے اہل خانہ کے یہاں پتہ کروایا تو کچھ نہ پایا، پھر آپ نے صحابہ کرامؓ سے کہا: کوئی ہے جو اس شخص کی مہمانی کرے؟ اللہ اس پر رحم کرے، ایک انصاری (ابو طلحہ رضی اللہ عنہ) نے کہا: رسول اللہ ﷺ میں اس کی مہمانی کروں گا، یہ شخص اسے اپنے گھر لے آئے اور اپنی اہلیہ (ام سلیم) سے کہا: یہ رسول اللہ کا (بھجھا ہوا) مہمان ہے، لہذا جو چیز موجود ہے اسے کھاؤ، وہ کہنے لگی: ”اللہ کی قسم! میرے پاس تو بمشکل بچوں کا کھانا ہے“، ابو طلحہ نے کہا: اچھا یوں کرو کہ بچے جب کھانا مانگنے لگیں تو انہیں سلا دو (بہلا پھسلا کر) اور جب ہم دونوں (میں اور مہمان) کھانا کھانے لگیں (عرب دستور کے مطابق مہمان کو الگ نہیں چھوڑا جاتا) تو چراغ (کسی بہانے سے) گل کر دینا، اس طرح ہم دونوں (شوہر اور بیوی) آج رات کچھ نہیں کھائیں گے (اور مہمان سیر ہو کر کھالے گا) چنانچہ ام سلیم نے ایسا ہی کیا، صبح جب ابو طلحہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:
”فلاں مرد (ابو طلحہؓ) اور فلاں عورت (ام سلیمؓ) پر اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوا اور اسے ہنسی آگئی۔“ (صحیح بخاری، بحوالہ ایسرالفیسر، عبدالرحمن کیلانی)

آپ غور کیجئے کہ قارون بدنصیب دولت مند ہونے کے باوجود حریص اور لالچی تھا اور اس کا انجام بھی برا ہوا اور ابو طلحہ رضی اللہ عنہ تنگی اور قناعت پسندی کے باوجود فراخ دل تھے اور نیک نامی میں ذکر دوام پایا۔ قارون کے واقعے سے پتہ چلتا ہے کہ حرص سے کئی اخلاقی امراض پیدا ہوتے ہیں، بخل، غرور، تکبر اور ظلم ایسی وبائیں اسی کا نتیجہ ہوتی ہیں اور حریص لوگوں میں یہ بیماریاں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں، قرآن حکیم میں فرعون کا کردار بھی ہمارے سامنے ہے، اس نے اسی پندرو غرور میں بنی اسرائیل پر کیا کیا ستم نہیں ڈھائے؟

اس کے برعکس قناعت پسندی سے انسان میں، عجز و خاکساری، فراخ دلی اور سیرچشمی، شکرگزاری اور احسان و مروت کے جذبات پرورش پاتے ہیں، اور سب سے بڑھ کر دل اطمینان و سکینت سے معمور ہو جاتا ہے جو اتنی بڑی دولت ہے کہ اس

کے مقابلے میں بڑے بڑے خزانے بھی بیچ ہیں۔ (جامع ترمذی میں ایک حدیث درج ہے جس کے آخر میں یہ بیان ہوا ہے) حضرت عون بن عبداللہ بن عتبہ بیان کرتے ہیں کہ میں دولت مندوں کی صحبت رہا تو اپنے سے زیادہ کسی کو غم زدہ نہ پایا، اپنی سواری سے اچھی سواری اور اپنے کپڑوں سے اچھے کپڑے دیکھتا (اور غم کھاتا، پھر جب) غریبوں کے ساتھ رہا تو (اس رنج و غم سے) آرام پا گیا (کیونکہ نہ کسی کو اپنے سے بہتر حالت میں دیکھتا تھا اور نہ اپنی محرومی پر غم کھاتا تھا)۔ (ترمذی بحوالہ اسوہ حسنہ، بنت الاسلام)

حقیقت میں قناعت پسندی کی خوب پیدا کرنے کے لئے انسان کو چاہئے کہ اپنے سے کم تر پر نظر رکھے، اس حدیث مبارک پر غور کیجئے! حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اس شخص کی طرف نگاہ کرو جو (مال و دولت یا جاہ و جلال اور حسن و جمال وغیرہ میں) تم سے کم ہے اور اس کی طرف نہ دیکھو جو تم سے بڑھ کر ہے، اس سے تم اللہ کی نعمتوں کو (جو اس نے تمہیں دے رکھی ہیں) حقیر سمجھو گے“۔ (مسلم، ابوحسنہ)

حرص اور قناعت کا اندازہ اس واقعے سے بھی ہو جاتا ہے، پاکستان کے ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب نے لکھا ہے کہ وہ امریکہ گئے، وہاں وہ ایک کروڑ پتی سے ملے، اس امیر شخص نے انہیں اپنے ایک خاص مکان میں ملاقات کے لئے بلایا، یہ مکان سمندر کے کنارے بنا ہوا تھا، جدید طرز کا وسیع مکان، اس کے آگے شاندار لان، اس کے آگے حد نظر تک پھیلی ہوئی سمندر کی لہریں، چاروں طرف عیش اور خوبصورتی کے مناظر، اس ماحول میں مہمان اور میزبان دونوں مکان کے سامنے لان میں کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے، ڈاکٹر جاوید کہتے ہیں کہ میں اس ماحول میں گم تھا، مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ میں جنت کی دنیا میں بیٹھا ہوا ہوں، مجھ پر محویت کا عالم طاری تھا، امریکی کروڑ پتی بھی چپ چاپ کسی سوچ میں مبتلا تھا، اچانک امریکی نے میری طرف مخاطب ہوتے ہوئے کہا: ”مسٹر جاوید! میں چاہتا ہوں کہ امریکہ کو چھوڑ کر پاکستان چلا جاؤں اور زندگی کے بقیہ دن وہیں گزاروں۔ کیوں؟ ڈاکٹر جاوید نے حیرت کے ساتھ پوچھا۔

”یہ سب چیزیں مجھے کاٹی ہیں، مجھے ایک منٹ کے لئے بھی سکون حاصل نہیں۔“

سچ تو یہ ہے کہ اطمینان و سکون کاروں اور کوٹھیوں میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں ہے اور وہ قناعت پسندی سے پیدا ہوتی ہے، یہاں اس بات پر بھی غور کر لیجئے کہ قناعت پسندی کا یہ مفہوم بھی نہیں ہے کہ ہم محنت و مشقت سے دست بردار ہو جائیں اور زندگی میں آگے بڑھنے کا جذبہ ختم ہو جائے، مثلاً: ہم معاشی اور تعلیمی میدان میں جتنے بھی آگے بڑھیں، ہمارے اندر حرص و غرور کے بجائے نرمی، شفقت اور احسان و مروت کے جذبات پروان چڑھنے چاہئیں، ہماری دولت قارون کی نہیں بلکہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی دولت بن جائے جو ہمیشہ غرباء و مساکین کے لئے وقف رہتی تھی، ہمارا علم انسانیت کی تباہی و بربادی کے لئے نہیں بلکہ اس کی فلاح و بہبود، نیکی اور بھلائی کے فروغ کے لئے وقف ہو جائے۔

(بشکریہ: ماہنامہ صراط مستقیم، برہنگم)

اسلام میں عصمت وناموس کی حفاظت کے وسائل و ذرائع

تحریر: شیخ صلاح الدین مقبول احمد مدنی

تہذیب و ترجمانی: ڈاکٹر رحمت اللہ محمد موسیٰ السلفی

یہ ایک مسلمہ اور واضح حقیقت ہے کہ مذہب اسلام فطری دین ہے جس میں تمام انسانی ضروریات کی تکمیل کی گئی ہے، بچپن سے لے کر جوانی، پھر بڑھاپہ یہاں تک کے مرنے کے بعد کے تمام مقتضیات کی رعایت کی گئی ہے، مرد اور عورت دونوں کے خصائص و تقاضے چونکہ مختلف ہیں اس لئے دونوں کی فطری ضرورتوں کی تکمیل کے طریقے بھی مختلف ہیں، عورت کے بغیر مرد کی زندگی ادھوری ہے اسی طرح مرد کے بغیر عورت کی زندگی ناقص، دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں، اس لئے مذہب اسلام نے دونوں کو مربوط رکھنے کے لئے شادی کا عمدہ نظام قائم کیا، فی نفسہ عورت کی حیثیت متنوع ہے، اس کی ایک حیثیت بیٹی کی ہوتی ہے جس کے تقاضے کچھ ہوتے ہیں، اس کی ایک حیثیت بہن کی ہوتی ہے جس کے مطالبات کچھ ہوتے ہیں، اس کی ایک حیثیت بیوی کی ہوتی ہے جس کے جذبات و احساسات منفرد ہوتے ہیں، اس کی ایک حیثیت ماں کی ہوتی ہے جس کی امنگیں و آرزوئیں دوچند ہوتی ہیں۔ صنف نازک کی مختلف حالتوں کا اعتبار کر کے مذہب اسلام نے اسے رحمت بنایا۔ وہ راحت و سکون خوشی و شادمانی اور سعادت و نیک بختی، پیار و محبت کا گراںمایہ و حسین سرمایہ ہے تو بچوں کی تعلیم و تربیت کا بہترین سرچشمہ ہے۔ الغرض مذہب اسلام نے فطرت کا خیال و اعتبار کر کے عورت کو سراپا رحمت و الفت بنایا اور اسے وہ مقام عطا کیا جس کی وہ مستحق تھی اور جو صدیوں سے جہالت کی توہین آمیز سوسائٹی کے ذلت آمیز برتاؤ کی شکار تھی اسے عزت و پاکیزگی عطا کی اور ایسی تکریم و تعظیم کے ذریعہ باوقار زندگی عطا کی جس کی مثال تاریخ انسانیت میں نہیں ملتی۔ اس کے خصائص و میزات و منفردات کی حفاظت کے لئے مذہب اسلام نے وہ تدابیر اختیار کی جن کے ذریعہ اس کے جسمانی ساخت و بناوٹ، حسن و جمال، شرم و حیا کی حفاظت کر سکے اور وہ چھٹے ہوئے موتی کی طرح بالکل پاک و محفوظ رہ سکے، کسی طرح کی آلودگی کا شکار نہ ہو اور کسی طرح کا خطرہ بھی درپیش نہ ہو جیسا کہ اس سے پہلے زمانے میں تھا یا پھر جیسا کہ آج کے ترقی یافتہ ممالک میں درپیش ہے۔ چنانچہ کبھی وہ آزادی نسواں کی بھیٹ چڑھ جاتی ہے اور کبھی صنعت و حرفت کے ترقیاتی پرفریب نعرے کے جھانسنے میں پھنس کر اپنی عزت و ناموس کو تار تار کر لیتی ہے۔

علم التشریح کے تجربات نے یہ ثابت کر دیا کہ انسانی حواس لامہ، شامہ، باصرہ، سامعہ وغیرہ کا شہوت سے براہ راست

رابطہ و تعلق ہے، ان کے ذریعہ شہوت بیدار ہوتی ہے، کسی عورت کو خوبصورت دیکھ کر یا کسی عورت کی خوبصورتی کا چرچا سن کر یا کسی عورت کو لمس کر کے انسان عجیب طرح کی تبدیلی محسوس کرتا ہے، چاہتیں دوبالا ہو جاتی ہیں، آرزوئیں انگڑائیاں لینے لگتی ہیں، اور ان آرزوؤں و تمنائوں کو بروئے کار لانے کے لئے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کئے جاتے ہیں، اس حقیقت کو مذہب اسلام نے چودہ سو صدی پیشتر بھانپ لیا تھا اور ان کے خطرات کا ادراک کر لیا تھا اور حفظ ماقدم کے طور پر چند رہنماء اصول بیان کئے تھے جن کی روشنی میں انسانی حواس پر کنٹرول کیا جاسکے اور سماج میں کسی طرح کی غیر اخلاقی و غیر شرعی افعال و اعمال کا صدور نہ ہو۔ مذہب و اخلاق اور سماج کو متاثر و آلودہ کرنے والی بہت سی چیزوں کی نشاندہی کر دی تھی جن سے بچ کر انسان صالح معاشرہ کی تشکیل کر سکے۔ آئیے دیکھیں وہ رہنماء اصول و ہدایات کیا تھے جن کی طرف مذہب اسلام نے رہنمائی کی ہے۔

اجنبی عورت کو چھونا حرام اجنبی عورتوں کو مس و لمس کرنا شرعی نقطہ نگاہ سے حرام ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے (صحیح مسلم: ۶۲۵۷) نبی کریم ﷺ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتے تھے حضرت معقل بن یسار روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا ہوں (صحیح سنن ابن ماجہ: ۲۳۲۳) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ نے دست مبارک سے کسی عورت کا ہاتھ مس نہیں کیا (صحیح، الامارۃ ۱۳/۱۰ مع النووی) آج کل عورتوں سے مصافحہ کرنا عام ہو رہا ہے، شریعت نے اسے کیوں حرام کیا ہے، اس پر غور بھی نہیں کیا جاتا، لمس کرنے سے جو تحریک پیدا ہوتی ہے اور اس کے جو نتائج سامنے آتے ہیں اگر اس پر غور کریں تو اس ممانعت کی حکمت سمجھ میں آجائے گی اور وہ خود اس عمل و حرکت سے باز آجائیں گے۔

خلوت کرنا حرام: مذہب اسلام نے صرف لمس ہی حرام نہیں کیا بلکہ لمس کے تمام چور و روازے کو بند کر دیا اور کہا: کوئی مرد کسی اجنبی عورت کے ساتھ خلوت میں ہرگز نہ رہے کیونکہ ان دونوں میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ (مسند احمد ۱/۱۷۷ الصحیح: ۴۳۰) آج یونیورسٹی و کالجوں میں خلوت معیوب نہیں سمجھا جاتا ہے۔

خوشبو لگانا حرام: انسانی حواس میں قوت شامہ سب سے قوی و تیز حسہ ہے جو کسی چیز کو سونگھ کر اس کی نفاست و عمدگی، یا خباثت و نحوست کو معلوم کر لیتا ہے، اس کے ذریعہ انسان کے اندر اشتہا پیدا ہوتی ہے چنانچہ جب وہ معطرشی کو سونگھتا ہے تو بار بار بار سونگھتا ہے اور محظوظ ہوتا ہے چونکہ عورت فی نفسہ خوشبو ہے جو معاشرہ کو معطر کئے رہتی ہے، اس لئے اس کی عزت و آبرو کی حفاظت و ضمانت کے لئے خوشبو لگا کر گھر سے باہر نکلنے کو ناجائز قرار دیا گیا، کیونکہ خوشبولگانے سے مردوں میں تحریک و ہیجان پیدا ہو جاتا ہے، سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ عورت عبادت کے لئے مسجد جاسکتی ہے لیکن وہی عورت خوشبو لگا کر مسجد نہیں جاسکتی، حدیث رسول ﷺ ہے: اگر کوئی عورت خوشبو لگا کر مسجد میں نماز پڑھنے جائے تو اس کی نماز مقبول نہ ہوگی جب تک کہ وہ غسل نہ کر لے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۱۷۷ سنن نسائی ۲/۲۸۳، الصحیح: ۱۰۳۱)

عورت کے حق میں خوشبو و عطر کے جو نقصانات ہیں ان کو سامنے رکھ کر نبی کریم ﷺ نے ایک بار فرمایا تھا: مرد کی خوشبو

وہ ہے جس کی بومعلوم ہوا اور رنگ غیر معلوم، اور عورت کی خوشبو وہ ہے جس کا رنگ معلوم ہو لیکن بومعلوم (سنن ترمذی: ۲۸۷۷ صحیح الجامع: ۳۹۳۷) حدیث مذکور میں یہ فرق اس لئے کیا گیا کہ عورت کی خوشبو کی اگر بومعلوم ہو جائے تو نوجوانوں میں فتنہ انگیزی ہو سکتی ہے، سماج افراتفری کا شکار ہو سکتا ہے، احتیاط اسی میں ہے کہ عورت اس طرح کی خوشبو نہ لگائے یہاں تک کہ مسجد میں جاتے وقت بھی نہیں کیونکہ خوشبو لگا کر عورت کی نماز قبول نہیں ہوتی سبحان اللہ کتنا تاکید و سخت حکم ہے، بندش سے عورتوں کی عصمت عفت کی مکمل حفاظت کی گئی ہے، جو عورتیں اس کا پاس و لحاظ کرتی ہیں وہ امن و سکون کے ساتھ زندگی گزارتی ہیں لیکن جو عورتیں (طالبات) اس کا اہتمام نہیں کرتی بلکہ اس قانون کی خلاف ورزی کرتی ہیں اور طرح طرح کے عطر و خوشبو لگا کر بازار نکلتی ہیں مارکیٹ میں گھومتی ہیں، کلاس روم جاتی ہیں، آفس کی چکر لگاتی ہیں، وہ آئے دن حوادث کا شکار ہوتی ہیں، ان دختران اسلام اور بالخصوص طالبات کو معلوم ہے کہ اس سلسلے میں مذہب اسلام نے اس سے بچنے کی سخت تاکید کی ہے، ارشاد نبوی ہے: جو عورت خوشبو لگا کر گھر سے نکلے اور اس کا گذر کسی قوم کے پاس سے ہو جس سے وہ اس کی خوشبو محسوس کرے تو عورت زانیہ ہوگی۔ (مسند احمد ۴/۲۰۰ صحیح الجامع ۲۷۰۱)

نرم لہجے سے بات کرنا: خواہشات نفس کو ابھارنے اور بھڑکانے والی تمام چیزوں کو سننے اور ان پر دھیان دینے سے مذہب اسلام نے منع کر دیا، عورت جو صنف نازک ہے، اس کی ہر ادا و لہجہ نازک ہوتا ہے، چال نازک ہوتی ہے، گفتگو نازک ہوتی ہے، آواز نازک ہوتی ہے، اس لئے عورتوں کو خطاب ہوا کہ تم ناز و نخرے و نرم لہجے میں مردوں سے گفتگو نہ کرو، ارشاد الہی ہے: ﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ﴾ تم ناز و نخرے سے نرم گفتگو نہ کرو، ورنہ جس کے دل میں بیماری ہے وہ تم سے کچھ امید رکھنے لگے گا۔ (الاحزاب: ۳۲)

آیت کریمہ میں خطاب امہات المؤمنین سے ہے، جن سے عام آدمی کی شادی حرام ہے، ان کو جب نرم لہجہ میں گفتگو کرنے سے منع کیا گیا، تو عام خواتین اسلام کو بدرجہ اولیٰ اس کا مخاطب ہونا چاہئے کیونکہ ان سے شادی جائز ہے اور ان سے گفتگو کرنے میں خطرہ زیادہ ہے۔

نگاہیں نیچی رکھنا: نگاہ ہی تمام فتنوں کی جڑ و اصل ہے، وہی زنا کا مقدمہ ہوتی ہے، شاعر کہتا ہے:

نظرة فابتسامة فسلام فكلام فموعد فلقاء

پہلے نظریں ملتی ہیں پھر مسکراہٹوں کا تبادلہ ہوتا ہے پھر علیک و سلیک ہوتا ہے پھر گفتگو ہوتی ہے پھر وعدے ہوتے ہیں آخر میں ملاقات ہوتی ہے۔

نظر کی اسی اہمیت و عظمت کے پیش نظر مذہب اسلام نے بڑے حکیمانہ انداز میں فرمایا:

آپ مسلمان مردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہی ان کے لئے پاکیزگی ہے، لوگ جو کچھ کریں اللہ تعالیٰ سب سے باخبر ہے، اور مسلمان عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی

شرمگاہوں کی حفاظت رکھیں اور اپنی زینت کا اظہار نہ کریں سوائے اس کے جو ظاہر ہے۔ (النور: ۳۰-۳۱)

مذہب اسلام نے مرد و عورت دونوں کو یکساں طور پر نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا، نہ مرد عورت کی طرف دیکھے اور نہ عورت مرد کی طرف، کیونکہ نظر بازی سے طرح طرح کے فتنے جنم لیتے ہیں، ان فتنوں کے سد باب کا ذریعہ صرف یہ ہے کہ نگاہیں پست رکھی جائیں، اسلام میں مکمل طور پر پاکیزہ و باحیا زندگی کی ضمانت دی گئی ہے، چنانچہ سطور بالا میں جو تدابیر بیان کی گئی ہیں ان پر غور و فکر کرنے سے یہ حقیقت طشت از بام ہو جاتی ہے کہ صنف نازک قدرت کی گراف قدر نعمت ہے، اس کی عزت و آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری جیسے اوروں پر ہے اسی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ خود اس پر ہے، دختران آدم کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی عزت و ناموس و گراف قدر سرمایہ کی حفاظت کرے اور اس کے لئے جو تدابیر شریعت اسلامیہ نے بیان کی ہیں ان کو اختیار کرے ورنہ بے احتیاطی و بے اعتنائی کے نتیجے میں عزت کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے، بلکہ کبھی کبھی جان کو خطرہ درپیش ہو سکتا ہے۔

علمبرداران اختلاط کے نام: مدارس (کالجوں) و جامعات (یونیورسٹیوں) میں طلبہ و طالبات کا باہم اختلاط بے ہنگم کیفیت کا باعث ہوتا ہے بالخصوص اس مرحلہ میں جب وہ قریب البلوغ ہوتے ہیں یا بالغ ہو چکے ہوتے ہیں، اس وقت ان کے جذبات و احساسات ہمالیہ کی چوٹی و بلندی پر ہوتے ہیں، ان میں باہم اختلاطوں کا ایسا جذبہ موجزن ہوتا ہے کہ اس کی تکمیل میں تمام حدود کو پار کر جاتے ہیں، ایسا باہم اختلاط بلاشبہ امت کے لئے تشویش کا باعث ہے، اگر ایک طرف یہ مغربی تہذیب کی نقالی ہوتی ہے، جس سے ہمیں روکا گیا ہے تو دوسری طرف نوجوانوں میں اخلاقی و جسمانی اور سماجی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں جو کبھی کبھی تباہ کن و جاں گسل بیماری کے سبب بنتے ہیں۔

حد درجہ افسوس تو یہ ہے کہ مختلف ذرائع ابلاغ (جرائد و مجلات، ٹیلی ویژن، انٹرنیٹ، ویڈیو، سیڈی وغیرہ) میں عشق و محبت کی باتوں اور داستانوں کو نشر و عام کیا جا رہا ہے، لوگوں کو سنیمیا ہالوں و تھیٹروں میں جانے کی ضرورت نہیں پڑتی، گھر بیٹھے ہاسٹل میں رہ کر فحش لٹریچروں کا مطالعہ کرتے ہیں، ڈش سے شرمناک تصاویر کا مشاہدہ کرتے ہیں جسے دیکھ کر طلباء و طالبات میں سیکس کی آگ لگ جاتی ہے، بے چین ہو کر وہ کسی مکان کی تلاش میں نکل جاتے ہیں، جب کوئی جگہ خالی ملتی ہے تو وہاں شہوت کی آگ بجھا لیتے ہیں، پارک ہو یا ہوٹل یا کلاس روم یا ہاسٹل یا ریسٹورنٹ، خوبصورت و بھرپور ڈانسیں لے کر لباس میں ملبوس ہو کر باہم ملتے ہیں اور شہوت رانی کرتے ہیں، سچ ہے زین للناس حب الشهوات من النساء..... مرغوب چیزوں کی محبت لوگوں کے لئے مزین کردی گئی جیسے عورتیں اور بیٹے..... (آل عمران: ۱۴)

اس خطرناک صورتحال میں باہم طلباء و طالبات کا اختلاط مغربی کلچر (زنا و فحش کاری) کے عملی تجربہ کا سبب بنتا ہے، چنانچہ روزانہ اس قسم کی رپورٹیں آتی ہیں کہ وہ باہم ملتے ہیں اور بالکل انہیں مغربی اسٹائل میں تسکین قلب کرتے ہیں، ہاں اللہ رب العزت جس کو بچالے۔

امت كو بهم مدد په نچائين.....

از: حسينه تدركيت مغربي قلدكار

ترجماني: فضل الله انصاري سلفي ربهار

هادي عالم و حسن انسانيت حضرت محمد ﷺ نے ہمیں تعليم دي ہے كه هم ميں كسى كو ايجابي (مثبت) فكر و عمل والا هونا چاهئے، سلبى (منفى) نهين هونا چاهئے، متوازن رهننا چاهئے، بو جه نهين اور (اسى طرح) كام كرنے والا هونا چاهئے، تكلف كرنے والا نهين، چنانچہ حضرت ابو هريره رضی اللہ عنہ نبی كريم ﷺ سے روايت كرتے هين كه آپ نے فرمايا: ”المؤمن القوي خير وأحب إلى الله من المؤمن الضعيف وفي كل خير و احرص على ما ينفعك واستعن بالله ولا تعجز وان أصابك شيء فلا تقل لو أنى فعلت كذا، كان كذا وكذا، ولكن قل قدر الله ما شاء فعل، فإن لو تفتح عمل الشيطان“ (مسلم) مضبوط مومن كمزور مومن كے مقابلے ميں اللہ كے يهاں زياده بهتر و پسنديدہ ہے اور هرايك ميں خير و بھلائي ہے، جو تمھارے لئے نفع بخش ہے، اس كے مشتاق رهو، اور اللہ سے مدد طلب كرو، عاجز مت بنو اور اگر تمھارا كچھ نقصان هو جائے تو يہ مت كهو كه اگر ميں ايسا كئے رھتا تو ايسا و يسا (فائدہ) هوتا كيونكه ”اگر مگر“ شيطان كا عمل (دروازہ) كھول ديتا ہے، تھك هار كے مت بيٹھو اور اللہ پر بھروسہ كرو، خوب محنت و جانفشاني سے كام كرو، عمل كر كے فراغت (خالى رهنے) كا مقابلہ كرو، اپني تمام طاقتوں كا استعمال كرو، تاكه امت كي مدد كا سبب اور ذريعہ بنو، هم تمام چھپي طاقتوں اور درپردہ صلاحيتوں كے سخت محتاج هين، امت همیں آواز دے رهي ہے اور همارا هتھيار علم و ايمان ہے، انهي دو هتھياروں سے هم اپنے هدف كو پهنچ سكين اور انهي سے ان شاء اللہ همیں مدد بھي ملے گی۔

بھائيو! غور كيجئے همارا دين حنيف علم و عمل پر قائم ہے، جو كبھي الگ نهين هو سكتے، سعادت و كاميابي كي بنيادوں ميں سے ايك يہ بھي ہے كه مومن كسى ايسے شغل سے خالى نہ رھے، جس ميں وه اپنا وقت لگائے، جو كام دنيا اور آخرت ميں اس كے لئے نفع بخش هو، رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ كرام كو هميشہ عمل صالح راجھے كام پر ابھارا كرتے تھے، كبھي كسى نے آپ سے اكتاھٹ، الجھن اور مكان كي شكاييت بھي نهين كي، كيوكه وه خود كو نتيجہ خير عمل ميں لگا ركھے تھے، نفس كو اگر طاعت، نيكي و بھلائي ميں نهين

لگائیں گے تو وہ آپ کو معصیت، برائی و گناہ میں لگا دے گا، سلف صالحین نے قافلہ خیر کے ہی نقش قدم کی پیروی کی، رضائے الہی پر مبنی جذبات کے ساتھ وہ تیز رو ہوا کرتے تھے اور نیک اعمال کے ذریعہ اعلیٰ درجہ مقام کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش میں رہتے تھے، جیسے نماز و زکوٰۃ اور روزہ و قیام، ان کی ہمتیں اور حوصلے بھی پست نہیں ہوتے تھے اور اس راستے میں چلتے ہوئے کبھی رکتے نہیں تھے، جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ان کے لئے پسند کر لیا ہوا ہے، چنانچہ نتائج بھی بڑے اور انجام بھی اچھے ہوتے تھے، اللہ ان کی یاد ہمیشہ تازہ و آباد رکھے، آپ بھلا فراغت (خالی اور بیکار رہنے) کی شکایت کیوں کرتے ہیں؟ آپ اگر اپنی نگاہ دوڑائیں، اپنی فکر و شعور کو حرکت دیں اور اپنے ارادے کو ہمیز دیں تو پتہ چلے گا کہ اکثر کوکر گزرنے پر آپ قادر ہیں، کیا آپ نہیں چاہتے کہ آپ بھی اپنے میدان عمل میں ایک ممتاز شخص ہوں؟

ایک سچا مسلمان ہمیشہ ممتاز و جدا، بلند مقام اور آگے بڑھنے کی تگ و دو میں لگا رہتا ہے، اور اس طلب و جستجو میں بھی کہ وہ صف اول میں رہے۔

ہر چیز اچھی طرح کرنے والا بنیں، آپ کا ہدف اللہ ہو اور پھر جنت..... اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ﴾ (آل عمران: ۱۳۳) اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف تیزی سے بڑھو، جس کی چوڑائی زمین و آسمان کی طرح ہے، وہ (جنت) متقی لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ ﴿سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسَلِهِ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ، وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾ (حدید: ۲۱) اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف لپکو، جس کی چوڑائی آسمان و زمین کی چوڑائی کی طرح ہے، جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے، یہ اللہ کا فضل ہے، اللہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے، اور اللہ بڑا فضل والا ہے۔ شیخان نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے، ان کا بیان ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَأْكُلُ مِنْهُ طَيْرٌ أَوْ إِنْسَانٌ أَوْ بَهِيمَةٌ إِلَّا كَانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ“ کوئی مسلمان کوئی پودا لگا تا یا کھیتی کرتا اور اس (کی پیداوار) میں سے کوئی پرندہ یا آدمی یا چوپایہ کھا لیتا ہے تو اس کے بدلے اسے ایک نیکی ملتی ہے، آپ جس میدان عمل کو پسند کرتے ہیں اور اس میں کچھ نیا کرتے ہیں، اس عمل (سے متعلق بات) کو سننے جاننے کی کوشش کیجئے، (اپنے کام میں) پختہ و ممتاز ہونے کی مثال بنئے، تاکہ مخلص عاملین، کارندے کے حق میں رسول اللہ ﷺ کی دعا کی برکت آپ کو بھی ملے،

جیسا کہ آپ نے فرمایا: ”رحم الله من عمل عملا فأتقنه“ اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جو کوئی کام کرے تو اچھی طرح خوب بہتر کرے۔ (کامیابی کے لئے) جلد بازی کرتے ہیں (تو یہ ٹھیک نہیں) بلکہ اس کے لئے سب سے قریب تر راستہ چنئے، اور وہ ہے کام کرنے میں خوش مزاجی اور انشراح، ایک پرانا قول ہے کہ: کامیابی میں سب سے موثر سب سے زیادہ خوش دلی اور توسع پسندی ہوتی ہے، جہاں تک ہو سکے تصنع و تکلف اور اندھی تقلید سے بچئے، اپنے عزم و ارادے کو منفی خیالات سے بچا کر رکھئے، جیسے یہ کہ: مجھ سے نہیں ہو سکے گا، میں یہ کام اچھی طرح نہیں کر پاؤں گا، اور میں ہرگز نہیں پڑھ سکوں گا، وغیرہ، پُر امید رہیں اور دنیا و آخرت (بہر دو جہاں) اپنے کامیاب ہونے والے آباء و اجداد کو دیکھیں..... حضرت عمرؓ بن خطاب کا ارادہ و آرزو بہت اہم ہوا کرتی تھی جیسا کہ انہوں نے کہا: میرا نفس بڑا مشتاق و طلبگار واقع ہوا ہے، اس نے امارت چاہی تو وہ اسے ملی، خلافت چاہی تو وہ بھی اسے ملی اور اب اس کی تمنا و آرزو جنت پانے کی ہے اور امید کرتا ہوں کہ میں اسے پالوں گا، سچ کہا کہ۔

إذا كانت النفوس كبارا

تعبت في مرادها الأجساد

نفس اور دل (کے ارادے) جب بڑے ہوں تو ان کی مراد (پوری کرنے) میں جسم بھی تھک جاتے ہیں۔

کامیابی کے پانچ طریقے:

غور کریں، ہر چیز کے کچھ ارکان اور حصے ہوتے ہیں اور کامیابی اسی قدم پہ ملتی ہے جسے ناکام و بے اثر سمجھتے ہیں، کامیابی کے مندرجہ ذیل پانچ طریقوں کو غنیمت سمجھیں:

۱- اللہ وحدہ سے تعلق۔

۲- خود سے مصالحت اور حالات جس چیز کو خراب کر دے، اس کی اصلاح کی کوشش۔

۳- لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ۔

۴- ابدی شرف و فضیلت حاصل کرنے کی غرض سے اچھے برتاؤ کی صورتوں کی تلاش و عمل اور اس کو مضبوط بنانا، ﴿من

عمل صالحا من ذكر أو أنثى وهو مؤمن فلنجزيه حياة طيبة ولنجزينهم أجرهم بأحسن ما كانوا يعملون﴾ جو بھی مومن مرد و زن نیک عمل کرے تو ہم اس کی زندگی پاکیزہ، شاندار بنادیں گے اور ان کو جو وہ نیک عمل کرتے تھے،

اس کا بہتر بدلہ دیں گے۔ (نحل: ۹۷)

۵۔ اپنی زندگی سے متعلق تمام مقاصد پر غور و فکر کرنا اور یہ کہ منزل مقصود کہاں ہے؟ غلطیوں کی بروقت اصلاح کرنا اور جس چیز کو آپ نے سالوں میں تعمیر کیا ہے، اس کو توڑنے اور ڈھادینے سے پہلے ہی سوچ لینا، کیوں کہ توڑنے والا آلہ بنانے کے آلہ سے کہیں زیادہ تیز چلتا ہے، بزدلی اور ناکامی کے آگے ہتھیار مت ڈالیں، جس سے بروقت پریشان بھی ہوں گے اور آئندہ (اس کا کوئی) فائدہ نہیں ہوگا، ایک بلند و بالا عمارت و محل میں کبھی کوئی ایک اینٹ ہی ایسی ہوتی ہے، جس پر آپ ایک دن فخر کرتے ہیں۔

اپنی زندگی کے لئے اچھے انداز میں منصوبے تیار کریں اور ایمان و یقین سے لبریز دل کے ساتھ مصائب و مشکلات کا سامنا کریں اور یاد رکھیں کہ آپ کا مقصد اہم ہے اور ہدف بلند و عظیم، دوسروں کے لئے آپ راستہ وہاں روشن کریں، جہاں دوسرے راستے اندھیرے ہوں، یہ آپ کا خاص کردار ہونا چاہئے، اور آپ اپنا دست تعاون وہاں بڑھائیں جہاں مسائل اہم ہوں، اپنے دل کو اللہ اور اس کے رسول کی محبت سے لبریز رکھیں اور اس پیغام کو عام کریں، جہاں تک ہو سکے آپ قربانی دے کرامت کی بیداری کا ذریعہ و سبب بنیں، اللہ پر اور پھر اپنی قدرت و صلاحیت پر بھروسہ ہو تو کامیابی کا روشن امکان ہے، گہرے ایمان اور مضبوط عزم و ارادے کا امتزاج ہو تو کامیابی دور نہیں، غفلت و سستی نہیں، ہم تاریخ میں منصوبہ و عمل، فلاح و کامیابی اور شجاعت و بہادری والی امت ہیں، امت کے لئے وہ گھڑی آن پڑی ہے کہ وہ علم و عمل کے واسطے سے اپنے مجد و عظمت اور امتیاز و خاصیت (دنیا کے سامنے پیش کرنے کی) تیاری کرے، ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ، وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ، مِنْهُمْ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ (آل عمران: ۱۱۰) تم ایک بہترین امت ہو، جو لوگوں کے لئے برپا کی گئی ہے، تم لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو، اہل کتاب اگر ایمان لے آئیں تو ان کے لئے بہتر ہوگا، ان میں کچھ تو مومن ہیں اور اکثر فاسق ہی ہیں۔

احادیث نبویہ قرآن کی کرنیں

طاہر جمال تنویر احمد منوی رفا

متعلم جامعہ سلفیہ، بنارس

مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ابتداء اسلام سے لیکر تاقیامت وقوع پذیر مسائل ومشکلات کے حل کے لئے دو ہی مرجع و ماخذ یعنی قرآن وحدیث کافی وشافی ہے، اور وہ اس لئے کہ دونوں کا نازل کرنے والا وہ اللہ ذوالجلال ہے جس کو ماضی وحال کی طرح مستقبل کے متعلق بھی مکمل علم ہے۔

ان میں سے اول الذکر مصدر یعنی قرآن کریم کو حضرت جبریل کے ذریعہ اپنے آخری نبی جناب محمد عربی ﷺ پر تقریباً ۲۳ سالہ مدت میں نازل فرمایا اور اس کی توضیح وتفسیر کے لئے آپ ہی کو مکلف کیا گیا ہے، آپ ﷺ کی اس تفسیر کو حدیث نبوی کے نام سے جانا جاتا ہے، قرآن وحدیث یہ دونوں آپس میں لازم وملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں، ان دونوں کے بغیر آدمی کا ایمان مکمل نہیں ہوگا، ان دونوں کی باہمی ترکیب ہی سے دین کا پورا نظام کھڑا ہوتا ہے، ان میں سے اگر ایک کو الگ کر دیا جائے تو دین کا سارا شیرازہ درہم برہم ہو جائے گا، پس ضروری ہوا کہ قرآن وحدیث کو دستور العمل بنایا جائے، کیونکہ ان دونوں میں وہی نسبت ہے جو غذا اور پانی کی جسم سے ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید ایک متن ہے جس میں بہت سے احکام اجمال واختصار کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں، حدیث ان کی تفصیل بیان کرتی ہے، چنانچہ امام شاطبی الغرناطیؒ فرماتے ہیں:

”فكانت السنة بمنزلة التفسير والشرح لمعاني أحكام الكتاب“۔ (۱)

بغیر احادیث کے ان مجمل احکام قرآن کو سمجھنا اور ان آیات کا موقع محل پہچاننا ایسا دشوار ہے جیسے بغیر جہاز کے سمندر عبور کر جانا، قرآن مجید تمام جہاں میں ایسے ہی ہے جیسے انسان کے اندر دل، اور حدیث ایسے ہی ہے جیسے زبان، قرآن مجید قاعدہ کلی مقرر کرنے والا اور حدیث شریف اس کی شرح وتفصیل کرنے والی، اور اس کے جزئیات وفروعات کو کھولنے والی، قرآن وسنت کے اس تعلق کو مزید واضح کرنے کے لئے ذیل میں اس کے مختلف پہلوؤں کو پیش کر رہا ہوں جس سے حدیث کا درجہ ومرتبہ، حدیث کی عظمت، قرآن وحدیث میں باہمی تعلق ان شاء اللہ مکمل طور پر واضح ہو جائے گا۔

(۱) الموافقات الشاطبی ۱/۴۰۶، بحوالہ فقہ انکار حدیث کا ایک نیاروپ۔

۱- قرآن وحدیث میں سے کسی ایک پر اکتفا کرنا باعث گمراہی ہے:

چونکہ اسلامی شریعت صرف قرآن مجید کا نام نہیں بلکہ اس سے قرآن اور اس کا بیان دونوں مراد ہیں، لہذا اگر قرآن کی تشریحی حیثیت قبول اور تسلیم کی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کے بیان و شرح کی مشروعیت سے انکار کیا جائے۔ جاننا چاہئے کہ قرآن کے اسی بیان کا نام ”حدیث نبوی“ ہے، پس قرآن وحدیث میں سے صرف قرآن یا حدیث کو ہی قابل عمل سمجھنا صریح گمراہی ہے، کیونکہ قرآن وحدیث دونوں میں ایک دوسرے کی پابندی کا حکم ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَنْ يَطْعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ (۱) دوسری جگہ فرمایا: ﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ (۲)

اسی طرح حدیث شریف میں ہے: ”مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللَّهَ“ (۳) ایک دوسری جگہ ہے: ”وَمَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبَى“ (۴) قرآن شریف کے اندر تقریباً چالیس مقامات پر محمد ﷺ کی مکمل اطاعت کا حکم دیا گیا اور نافرمانی کرنے والوں کے لئے سخت وعید آئی ہے، مثلاً یہ آیت: ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (۵) اور فرمایا: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رِسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ (۶)

اسی طرح حدیث میں حضرت حسن بن عطیہ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ حضرت عمران بن حصین لوگوں کو حدیث بتا رہے تھے کہ ایک صاحب نے کہا کہ ہم سے قرآن کے علاوہ اور کچھ نہ کہو، تو آپ غصہ میں بولے کہ اگر تم کو اور تمہارے اصحاب کو صرف قرآن پر چھوڑ دیا جائے تو کیا تم اس میں پاسکتے ہو کہ ظہر کی نماز چار رکعت، عصر کی چار رکعت، مغرب کی تین رکعت اور اس کی شروع کی دو رکعتوں میں بلند قرات، اور کیا تم قرآن میں پاسکتے ہو کہ بیت اللہ کا طواف سات بار ہے، اور صفا و مروہ کی سعی بھی ہے، پھر حضرت عمران بن حصین نے فرمایا: اے لوگو! ہم سے ”علم حدیث“ لو کیونکہ قسم اللہ تعالیٰ کی اگر تم لوگ ایسا نہ کرو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ (۷) یعنی صرف قرآن کو لو گے اور حدیث کو ترک کر دو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان دونوں میں سے کسی ایک پر اکتفا کرنا صریح گمراہی ہے۔ سنت کو ناقابل التفات سمجھ کر اگر کوئی شخص الفاظ

(۱) النساء: ۳۰۔ (۲) النساء: ۵۹۔

(۳) صحیح البخاری مع فتح الباری ۱/۱۱۱۔ (۴) رواہ البخاری۔

(۵) النور: ۶۳۔ (۶) النساء: ۶۴۔

(۷) الکفایۃ فی علم الروایۃ للخطیب، ص: ۱۵۔

قرآن کے لغوی معنی پر ہی عمل کرنے لگے تو وہ شخص گمراہ ہو جائے گا، کتاب اللہ سے جاہل رہ جائے گا، اندھیروں میں ہاتھ پیر مارنے والا ہوگا اور کبھی بھی راہ حق نہ پاسکے گا، اسی لئے سلف صالحین اور ائمہ کرام نے کتاب و سنت کو مضبوطی سے پکڑا اور ان گمراہ لوگوں کی طرح نہیں کیا جو اس میں تفریق کر کے ایک چیز لیتے اور دوسری کو ترک کر دیتے ہیں۔

۲- سنت نبوی بھی وحی ہے:

رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے بارے میں کسی مومن کو قطعاً کسی قسم کا شبہ نہیں ہے، اور نہ ہی اس بارے میں کوئی شک ہے کہ آپ ﷺ امت مسلمہ کے ہادی اور قائد ہونے کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کے شارح و مفسر بھی تھے، قرآن مجید اس دین کی ایک اہم بنیاد ہے، اور نبی ﷺ کو اس کی شرح اور جزئیات دین کی تفصیل بیان کرنے کے لئے مبعوث فرمایا گیا ہے تو آپ ﷺ کی بیان کردہ قرآن کی شرح کو غیر اللہ کی جانب سے سمجھنا کوئی معقول بات نہیں، اگر قرآن کے ساتھ اس جزء کو شامل نہ کیا جائے تو بلاشبہ دین نامکمل رہتا ہے، پس تکمیل دین کا تقاضہ ہے کہ جن چیزوں کا صدور رسول ﷺ سے ہوا ہے وہ بھی وحی الہی پر مبنی ہوں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (۱) حدیث کے وحی ہونے کے بارے میں اور بہت سی آیتیں قرآن کریم میں ملتی ہیں جس سے صاف طور سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ پر قرآن کے علاوہ بھی وحی نازل ہوتی تھی، چنانچہ امت سے جو چیز حاصل اور ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حدیث بھی وحی ہے اور جو چیز حدیث و قرآن میں امتیاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن کریم متلو ہے اور حدیث غیر متلو۔ ذیل میں چند قرآن آیات و احادیث نبوی پیش کی جا رہی ہے جس سے حدیث کا وحی، منزل من اللہ ہونا ثابت ہو جائے گا۔

ارشاد ربانی ہے: ﴿مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لَيْنَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَىٰ أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ﴾ (۲) اس آیت میں جس ”آذن الہی“ کا تذکرہ ہے وہ قرآن میں کہیں مذکور نہیں ہے، چنانچہ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں: ”ولا نجد في القرآن ذلك الاذن، فثبت قطعياً أن الرسول كان يأتيه الوحي أيضاً“ (۳) اسی طرح حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”الا اني أوتيت القرآن ومثله معه، ألا يوشك رجل شبعان على أريكته يقول عليكم بهذا القرآن فما وجدتم فيه من حلال فأحلوه وما وجدتم فيه من حرام فحرموه انما حرم رسول الله ﷺ كما حرم الله“ (۴) اس حدیث میں نبی ﷺ کا فرمان ”مجھے کتاب جیسی ایک چیز دی گئی ہے“ کا معنی یہ ہے کہ مجھے کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ اس کی توضیح و تفسیر بھی بارگاہ الہی سے عطا کی گئی ہے، جس کے پیش نظر آپ قرآنی

(۲) الحشر: ۵۔

(۱) النجم: ۴۔

(۴) سنن ابوداؤد، جامع ترمذی۔

(۳) تفسیر ابن کثیر ۴/۳۳۳-۳۳۴۔

آیات کی تخصیص و توضیح فرماتے، اسی طرح حضرت حسن بن عطیہ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ: ”کان جبریل ینزل علی رسول اللہ بالسنة كما ینزل علیه القرآن ویعلمه كما یعلمه القرآن“ (۱) خلاصہ کلام یہ ہے کہ استدلال اور اخذ مسائل کے وقت حدیث نبوی کا حکم قرآن کی طرح ہے کیونکہ اس کا علم بھی نبی ﷺ کو ایسے دیا گیا جیسے قرآن کا، لیکن اس کا ہرگز مطلب یہ نہیں کہ جس طرح نماز میں قرآن پڑھا جاتا ہے حدیث بھی پڑھی جائے۔

۳- احادیث نبویہ بھی قرآن کریم کی طرح محفوظ ہیں:

احادیث نبویہ کے محفوظ ہونے کے سلسلے میں قرآن کریم احادیث نبویہ اور علماء سلف کی روشنی میں چند دلائل پیش کر رہا ہوں، قرآن میں اللہ کا ارشاد ہے:

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نَزَلَ إِلَيْهِمْ﴾ (۲) اس آیت میں لفظ ”ذکر“ کی تعیین کے متعلق اختلاف رائے ہو سکتا ہے، اس کی صحیح تعبیر رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی وحی (قرآن و حدیث) ہے اگر ”ذکر“ کے معنی صرف قرآن سمجھا جائے تو دوسری آیت ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (۳) کی رو سے تو سنت غیر محفوظ قرار پائے گی تو اس میں اکاذیب، باطل اور افتراءات کا دخل ممکن ہوگا، جو شریعت کے افساد و ابطال کے لئے کافی ہے، حالانکہ دین کے غیر محفوظ ہونے کا سوء ظن کسی کو نہیں، پس ”ذکر“ کا اطلاق قرآن و سنت دونوں پر یکساں طور پر کرنا متحقق ہوا، سلف صالحین بھی لفظ ”ذکر“ سے قرآن و حدیث دونوں مراد لیتے ہیں۔ عبد اللہ بن مبارک سے کسی نے پوچھا کہ ان موضوع احادیث کا کیا ہوگا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے لئے نقاد موجود ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس دین کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ (۴) اسی طرح علامہ ابن القیمؒ اور ابن حزم اندلسیؒ نے بھی ذکر کے معنی میں قرآن کے ساتھ تو حدیث کو بھی داخل مانا ہے، لہذا ان آیات اور علماء سلف کے اقوال سے ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ آج بھی سرمایہ حدیث کا بیشتر حصہ جوں کا توں محفوظ ہے، اگر فتنہ انگیز عوامل کی ناعاقبت اندیش ریشہ دوانیوں کے باعث اس کا کچھ حصہ ضائع بھی ہوا ہو تو امت کو یقیناً اس کی ضرورت نہ تھی، ورنہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح حدیث کے اتنے بڑے ذخیرے کی حفاظت کی اسی طرح اس مختصر سے حصہ کی بھی کوئی نہ کوئی سبیل ضرور فرما دیتا۔

(۱) أخرجه ابوداود في مراسيله، وذكره الحافظ ابن حجر في فتح الباری ۱۳/۲۹۱۔

(۲) النحل: ۲۳۔ (۳) الحج: ۹۔

(۴) الباعث الحثيث، ص: ۸۷۔

۴۔ منکرین حدیث:

بعض لوگ (خوارج، شیعہ اور معتزلہ وغیرہ) فتنہ وضع حدیث کو رونما ہونے کے باعث ذخیرہ احادیث کو غیر محفوظ سمجھتے ہیں لیکن یہ بات انتہائی ناقابل یقین ہے، حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”من بلغه عنی حدیث فکذب به فقد کذب ثلاثۃ، اللہ ورسولہ والذی حدث به۔“ (۱)

اسی طرح امام احمد بن حنبل نے فرمایا: ”من رد حدیث رسول اللہ فهو علی شفاہلکۃ“ (۲) علامہ ابن حزم تو منکر حدیث کو کافر قرار دیتے ہیں، آپ نے فرمایا: جو شخص رسول ﷺ کی ثابت شدہ صحیح احادیث کا انکار کرے یا کسی ایسی بات کا انکار کرے جو رسول ﷺ سے منقول ہو اور اس پر اہل ایمان کا اجماع منعقد ہو چکا ہو تو وہ شخص کافر ہے۔ (۲) اور اس کی دلیل میں یہ آیت پیش کرتے ہیں: ﴿ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبیین لہ الہدی یتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولی ونصلہ جہنم﴾ (۳) اسی طرح جناب مرتضیٰ حسن دیوبندی منکر حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جو رسول ﷺ کے ایک حکم کا انکار کرے، یا اس کے حق ہونے کے بارے میں شک کرے تو وہ ایسا کافر ہے جیسا کہ مرزا غلام احمد قادیانی، مسیلہ کذاب اور ابو جہل وغیرہ تھے، انسان کا کوئی عمل اعلیٰ و ادنیٰ جب تک آپ ﷺ کے حکم کے مطابق نہ ہو قبول بھی نہیں ہو سکتا۔ (۴)

کبھی کبھی تو منکرین حدیث کا انجام بھی ناک صورت میں سامنے آیا ہے چنانچہ یہ حدیث: ”اذا استنیز أحدکم من نومہ فلیغسل یدہ قبل أن یدخلہا فی الاناء فان أحدکم لا یدری أين باتت یدہ“ کے تحت امام قسطلانی لکھتے ہیں کہ ”قد بلغنا أن رجلاً سمع هذا الحديث فقال أين باتت یدہ منه فاستيقظ من نومہ ویدہ داخلہ دبرۃ محشوة فتأب من ذلك وأقلع“ ان تمام چیزوں احادیث واقوال سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حدیث سے انکار اور فقط قرآن پر عمل و ایمان کبھی ہمارے لئے تفصیل و ہدایت نہیں بن سکتا، رسول اللہ ﷺ کی وصیت بھی یہی رہی ہے، فرمایا: ”ترکت فیکم أمرین لن تضلوا ما تمسکتم بہما کتاب اللہ وسنتی۔“ (۵)

کلام آخر:

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کو مکمل طور پر تسلیم کیا جائے، آپ کے حکم کی بجا آوری و پیروی کی جائے، آپ کی حدیث کی تصدیق کی جائے، کسی باطل خیال کو معقول سمجھ کر حدیث کے مقابلہ میں پیش نہ کیا جائے، اسے شک کی نگاہ سے نہ دیکھا جائے، لوگوں کی رائے کو اس پر مقدم نہ کیا جائے۔

☆☆☆

(۱) رواہ الطبرانی الاوسط، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۷۵۔

(۲) المناقب لابن الجوزی ص: ۱۸۲۔ (۳) فتنۃ انکار حدیث کا ایک نیا روپ ج ۱۔

(۴) النساء: ۱۱۵۔ (۵) رواہ الموطأ، کتاب القدر، باب النبی عن القول بالقیء ج ۳۔

باب الفتاوی

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:

شریعت مطہرہ میں داڑھی کا کیا حکم ہے؟ داڑھی کاٹنا یا کٹوانا، مونڈنا یا منڈوانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس کا منڈوانے یا کٹوانے والا کونسے گناہ کا مرتکب مانا جائے گا؟
مذکورہ تمام باتوں کا تفصیلی جواب سے مطلع فرمائیں، والسلام
الجواب بعون اللہ الوہاب وھوالموفق للصواب:

صورت مسئلہ میں واضح ہو کہ شریعت مطہرہ کی رو سے داڑھی کو اپنی اصلی حالت پر چھوڑے رکھنا، بڑھانا ضروری و واجب ہے اور اس کا منڈانا یا کٹوانا حرام ہے، اور منڈانے یا کٹوانے والا فاسق ہے، کیونکہ ایسا شخص ان احادیث کی مخالفت کرتا ہے جن میں داڑھی رکھنے اور بڑھانے کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”خالفوا المشرکین ووفروا للھی واحفوا الشوارب“ (صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب خصال الفطرۃ، ج: ۲۵۹، صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب تقلم الاظفار ج: ۵۸۹۲) یعنی مشرکین کی مخالفت کرو، داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو کتراؤ۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ”جزوا الشوارب وارخوا للھی وخالفوا المجوس“ (صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب خصال الفطرۃ ج: ۲۶۰) یعنی مونچھوں کو کتراؤ، داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مجوسیوں کی مخالفت کرو۔

اور ایک حدیث میں رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں: ”قصوا الشوارب واعفوا للھی خالفوا المشرکین“ (مسند احمد ۲/۲۲۹) یعنی مونچھیں کتراؤ، داڑھیاں بڑھاؤ، مشرکین کی مخالفت کرو۔

یہ اور ان جیسی متعدد احادیث کتب احادیث میں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ داڑھی کو اپنی اصلی حالت پر چھوڑے رکھنا، بڑھانا ضروری و واجب ہے، اس کا کاٹنے والا گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے، اور وہ اللہ کے سب سے محبوب بندے حضرات انبیاء کرام کے طریقے سے ہٹ کر مجوسیوں اور مشرکوں کے مذموم طریقے کو اختیار کرتا ہے۔

یہ واضح رہے کہ داڑھی سے مراد وہ بال ہیں، جو دونوں جبروں، تھوڑی اور رخساروں پر اگتے ہیں، دونوں جبروں سے

مراد نیچے کے دانتوں کے اگنے کی جگہ ہے، اور تھوڑی اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں دونوں جبرے ملتے ہیں، اور رخسار، کان، ناک اور آنکھ کے بیچ کی جگہ کو کہتے ہیں، یعنی دونوں رخساروں، دونوں جبروں اور تھوڑی پر جو بال اگتے ہیں وہ سب داڑھی میں شامل ہیں، ان میں قطع و برید معصیت و گناہ ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس سلسلہ میں عام طور پر جو الفاظ ارشاد فرمایا ہے، وہ یہ ہیں:

”اعفوا للحي“ (صحیح البخاری، کتاب اللباس ح ۵۸۹۳، صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ ح ۲۵۹، مسند احمد ۵۲/۲)

”وارخوا للحي“ (صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب خصال الفطرۃ ح ۲۶۰)

”ووفروا للحي“ (صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب تقليم الاظفار ح ۵۸۹۲)

”وأوفوا للحي“ (صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب خصال الفطرۃ ح ۲۵۹)

احادیث میں مذکور تمام الفاظ کا تقاضا یہ ہے کہ داڑھی میں قطعاً کوئی قطع و برید نہ کی جائے، کیونکہ ہر مسلمان پر ضروری و واجب ہے کہ وہ اللہ اور اس کے پیارے حبیب و رسول جناب محمد ﷺ کی اطاعت کرے اور اطاعت اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ احکام کی پیروی کی جائے، اور جو شخص احکام رسول ﷺ کی مخالفت کرتے ہوئے داڑھی کو کاٹے یا منڈوائے تو وہ شخص یقیناً گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے، لیکن چونکہ گناہوں اور معصیتوں کے درجات بھی مختلف ہوتے ہیں، اس لئے قطع و برید کی نسبت داڑھی منڈوانا بہر حال زیادہ بڑا گناہ ہے۔

اوپر مذکور تمام تفصیلات کا ماحصل یہ ہے کہ داڑھی رکھنا اور اسے بڑھانا واجب ہے، اور اسے منڈوانا یا کٹوانا حرام ہے، اور جو شخص یہ گمان کرے کہ یہ ایک ایسی سنت ہے کہ اس پر عمل کرنے سے ثواب ملے گا اور عمل نہ کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں ہوگا، تو اس کا یہ گمان صحیح احادیث کی رو سے لغو و باطل ہے، الا یہ کہ ایسا گمان رکھنے والے کے پاس شریعت سے کوئی دلیل موجود ہو، اور ظاہری بات ہے کہ ایسے شخص کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، اس لئے تمام مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ اس سنت ثابتہ پر عمل کریں اور دوسروں کو بھی اس کی نصیحت کریں۔

ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم وا حکم

حررہ: ابو عفان نور الہدی عین الحق سلفی مالدہی

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس